# نصرة

میگزین

نصرة میگزین شمارہ 53
مارچ / اپریل 2020 بمطابق
رجب / شعبان 1441 ہجری

بصیرت سے عاری باجوہ-عمران حکومت آئی ایم ایف کی استعماری پالیسیوں کے ذریعے ہماری معیشت کا گلا گھونٹ کر اسے بے جان لاشے میں تبدیل کر رہی ہے

شیطانیت پر مبنی بھارتی ہندوتوا حکمران انسانیت سوز مظالم کے ذریعے مسلمانوں کی حیثیت کو تبدیل کر رہے ہیں

قسطُنطنیہ کی فتح کی یاد میں اور یومِ یکجہتی کشمیر پر ریلیاں

یہ وقت خلافت کا ہے

فاتحِ قسطُنطنیہ، سلطان محمد الفاتح اہلِ قوت کے لیے متاثر کن اور حوصلہ افزاء مثال ہے

امریکا — چین تجارتی معاہدہ

نصرة میگزین/شمارہ 53

مارچ/اپریل 2020 بمطابق رجب/ شعبان 1441 ہجری

# اس شمارے میں

# یہ وقت خلافت کا ہے

> یقیناً اسلام میں حکمرانی کا نظام، خلافت ہے جو ہمارے معاملات کی نگہبانی صرف اور صرف قرآن و سنت کے احکامات کے ذریعے کرتا ہے۔ خلافت کے آئین کی ہر شق اور آرٹیکل وحی سے اخذ کیا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے خلیفہ کو بیعت دینے کو فرض قرار دیا ہے کیونکہ آپ ﷺ نے اس کی غیر موجودگی کی صورت میں آنے والی موت کو بدترین موت قرار دیا ہے یعنی قبل از اسلام کی موت۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، "**جو بھی اس حال میں مر جائے کہ اس کی گردن میں امام (خلیفہ) کی بیعت کا طوق نہ ہو تو وہ شخص جاہلیت کی موت مرا**" (مسلم)۔

**بسم اللہ الرحمن الرحیم**

اس سال رجب 1441 ہجری کو خلافت کے خاتمے کو پورے 99 سال ہو جائیں گے۔ 99 سال قبل استعماری دشمنوں نے عربوں اور ترکوں میں موجود غداروں کی مدد سے خلافت کا خاتمہ کر دیا تھا۔ پوری مسلم دنیا اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی وحی کی بنیاد پر حکمرانی کی عدم موجودگی کو محسوس کر رہی ہے اور مایوس کن صورتِ حال سے دوچار ہے۔ پاکستان بھی اسی صورتحال کا شکار ہے کیونکہ پاکستان کے نظامِ حکومت سے آخری امید دم توڑ چکی ہے۔ یقیناً "تبدیلی" سرکار کرپشن کے خاتمے میں ناکام ہو چکی ہے، وہ آج کے استعماریوں کے ہاتھوں ہماری معیشت کی تباہی اور ہمارے تحفظ کے قتل کو روکنے میں ناکام ہو چکی ہے۔ ہم مایوسی کے عالم میں مشاہدہ کر رہے ہیں کہ کرپشن کو ایک اور زندگی مل گئی ہے۔ کرپٹ جرنیلوں اور سیاست دانوں سے ایک ڈالر بھی نہیں نکلوایا جاسکا ہے جنھوں نے عوام کی دولت کو لوٹ لوٹ کر اپنے پیٹ بھرے تھے۔ ہم مایوسی کے عالم میں پاکستان کو گردن تک مذموم سودی قرضوں کی دلدل میں ڈوبتا دیکھ رہے ہیں جو کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو جنگ کی دعوت دینے کے مترادف ہے۔ ہم غیر ملکی قرضوں کے ساتھ جڑے استعماری شرائط سے سخت پریشان ہیں, جو ہمارے وسائل کو کھا رہے ہیں اور مقامی صنعت، زراعت اور کرنسی کو زمین بوس کر رہے ہیں تاکہ ہم پر غیر ملکی معاشی بالادستی برقرار رہے۔

ہم افسوس سے اپنے سر ہلاتے ہیں جب ہم امریکی پالیسی کے عین مطابق، مقبوضہ کشمیر کے مسلمانوں کی چیخ و پکار کے مقابلے میں، حکمرانوں کی جانب سے نمائشی اقدامات اور "تحمل" پر مبنی بیانات دیکھتے اور سنتے ہیں جس کا مقصد ہندو ریاست کو اکھنڈ بھارت کے خواب کو پورا کرنے کے قابل بنانا ہے۔ اور ہم بے چین ہو جاتے ہیں جب حکومت کرائے کے سہولت کار کا کردار ادا کرتے ہوئے افغانستان سے جزوی امریکی افواج کے انخلاء کے معاہدے کی آڑ میں افغانستان میں امریکی "ریمنڈ ڈیوس" پرائیوٹ ملٹری کنٹریکٹرز کی وجودگی کو یقینی بنانے کے لیے کام کرتی ہے، تاکہ ہمارے ایٹمی اثاثے ہمیشہ امریکا کے ہدف پر رہیں۔

اس مایوس کن صورتِ حال کا خاتمہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ہم انسانوں کے بنائے نظاموں کو چھوڑ کر اپنے عظیم دین کی طرف رجوع نہ کرلیں جسے کائنات کے خالق اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ہم پر نازل فرمایا ہے۔ ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ ایک شخص جسے ہماری فوجی قیادت کی مکمل حمایت بھی حاصل ہے جمہوریت میں موجود بنیادی خامیوں کو درست نہیں کرسکا۔ صورتحال ایسی ہے جیسے ہم کسی ایک مقام پر پھنس گئے ہوں کہ ہم نہ تو موجودہ قیادت کے ساتھ آگے بڑھ سکتے ہیں اور نہ ہی سابقہ قیادتوں کی طرف رجوع کرسکتے ہیں۔ اس صورتِ حال میں ہمیں یہ سوال کرنا چاہیے: کیا ہماری فوج کے لیے صرف یہی رستہ نہیں رہ گیا کہ وہ نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت کے قیام کے لیے حزب التحریر کو نُصرہ فراہم کریں؟

یقیناً اسلام میں حکمرانی کا نظام، خلافت ہے جو ہمارے معاملات کی نگہبانی صرف اور صرف قرآن و سنت کے احکامات کے ذریعے کرتا ہے۔ خلافت کے آئین کی ہر شق اور آرٹیکل وحی سے اخذ کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے خلیفہ کو بیعت دینے کو فرض قرار دیا ہے کیونکہ آپ ﷺ نے اس کی غیر موجودگی کی صورت میں آنے والی موت کو بدترین موت قرار دیا ہے یعنی قبل از اسلام کی موت۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **مَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً**" جو بھی اس حال میں مر جائے کہ اس کی گردن میں امام (خلیفہ) کی بیعت کا طوق نہ ہو تو وہ شخص جاہلیت کی موت مرا" (مسلم)۔

ہم میں سے ہر ایک پر یہ فرض ہے کہ آج اس دور میں بھی خلیفہ کی بیعت موجود ہو۔ یقیناً یہ وقت خلافت کا ہے۔

**ختم شد**

# تفسیر سورۃ البقرۃ: آیت 197 - 199

فقیہ اور مدبر سیاست دان امیر حزب التحریر شیخ عطا بن خلیل ابو رَشتہ کی کتاب **تیسیر فی اصول التفسیر** سے اقتباس:

أعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

**﴿الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَعْلُومَاتٌ ج فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلاَ رَفَثَ وَلاَ فُسُوقَ وَلاَ جِدَالَ فِي الْحَجِّ ط وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللَّهُ ط وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ ط وَاتَّقُونِ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ (197) لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلاً مِنْ رَبِّكُمْ ج فَإِذَا أَفَضْتُمْ مِنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ وَإِنْ كُنتُمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّالِّينَ (198) ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ ط إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (البقرة: 199)﴾**

**"حج کے چند متعین مہینے ہیں۔ چنانچہ جو شخص ان مہینوں میں (احرام باندھ کر) اپنے اوپر حج لازم کر لے تو حج کے دوران نہ وہ کوئی فحش بات کرے، نہ کوئی گناہ، نہ کوئی جھگڑا۔ اور تم جو کوئی نیک کام کرو گے، اللہ اسے جان لے گا۔ اور (حج کے سفر میں) زادِ راہ ساتھ لے جایا کرو، اور بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے، اور اے عقل والو! میری نافرمانی سے ڈرتے رہو۔ تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم (حج کے دوران تجارت یا مزدوری کے ذریعے) اپنے پروردگار کا فضل تلاش کرو۔ پھر جب تم عرفات سے روانہ ہو تو مشعر حرام کے پاس (جو مزدلفہ میں واقع ہے) اللہ کا ذکر کرو، اور اس کا ذکر اس طرح کرو جس طرح اس نے تمہیں ہدایت کی ہے، جبکہ اس سے پہلے تم بالکل ناواقف تھے، اس کے علاوہ (یہ بات بھی یاد رکھو کہ) تم اسی جگہ سے روانہ ہو جہاں سے عام لوگ روانہ ہوتے ہیں اور اللہ سے مغفرت مانگو۔ بیشک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔" (199 - 197)**

**حزب التحریر کے امیر شیخ خلیل بن عطاء ابو الرشتہ نے ان آیات کریمہ کی تفسیر یوں کی ہے۔**

**ان آیات کریمہ میں اللہ سبحانہ فرماتے ہیں:**

1 – (الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَعْلُومَاتٌ) یہ مہینے حج کے لیے سبب ہیں، چنانچہ حج کے مہینوں کے علاوہ مہینوں میں حج جائز نہیں، یہ مہینے شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کے نو دن ہیں، اور ان میں عیدالاضحیٰ کی رات بھی داخل ہے۔ (عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، جمہور صحابہ و تابعین کا قول یہ ہے کہ یہ مہینے: شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ کے دس دن ہیں، صحیحین کی شرط کے مطابق یہ صحیح حدیث ہے، مستدرک میں بھی موجود ہے)، اور ذی الحجہ کے دس دنوں میں دسواں دن داخل نہیں، یہی راجح قول ہے، اس کا بیان آگے ہو گا، ان شاء اللہ۔ تو ہم کیوں کہتے ہیں کہ حج صرف حج کے مہینوں میں ہی جائز ہے، اس کے علاوہ میں نہیں؟ تو یہ اس لیے کہ **(الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَعْلُومَاتٌ)** یعنی حج کا وقت متعین مہینے ہے، نحویین (Grammarians) کا بھی یہی مذہب ہے، لہذا سال کے مہینوں میں سے ان مہینوں کی تخصیص کی جاچکی اور یہی حج کے لیے سبب ہیں، جیسے نماز کے اوقات نمازوں کے فرض ہونے کے اسباب ہیں، یا جیسے ماہِ رمضان کا آنا روزہ فرض ہونے کا سبب ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے: **((من السنة ان لا یحرم بالحج الا فی اشهر الحج))** " سنت میں سے یہ بھی ہے کہ حج کے لیے صرف اشہرِ حج یعنی حج کے مہینوں میں احرام باندھا جائے۔" صحابی کا یہ کہنا کہ "فلاں کام سُنّہ میں سے ہے" مرفوع حدیث کے حکم میں ہوتا ہے، بالخصوص ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی بات، جنہیں تَرجمَانُ القرآن کہا جاتا ہے۔

اور ہم کیوں کہتے ہیں کہ حج کے مہینوں کا اختتام دسویں ذی الحج کی رات سمیت نو ذی الحج کے دن پر ہوتا ہے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ نو ذی الحج عرفات کا دن ہوتا ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں "حج عرفات ہے، جو کوئی لیلۃُ الجمعِ کو فجر کی نماز سے پہلے عرفات پہنچے، تو اس کا حج مکمل ہو گیا۔" اور ابو داودؒ کی روایت میں ہے "جو کوئی طلوعِ فجر سے پہلے عرفات پہنچ جائے تو اس نے حج پالیا۔" اسی طرح دار قُطنی کی روایت میں ہے "حج عرفہ ہے، حج عرفہ ہے۔" اس کا مطلب ہے، کہ جو عرفات نہ جاسکے اور بقر عید کی فجر تک وہ عرفات میں وقوف نہ کرے تو اس کا حج نہیں ہو گا۔ لیلۃ الجمع سے مراد مُزدَلفِہ ہے۔

اور چونکہ حج کے مہینے حج کا سبب ہیں اور یہ کہ دسویں کی فجر تک کے دورانیے میں عرفات رہ جانے کی وجہ سے حج رہ جاتا ہے، تو اس کا مطلب ہے کہ حج کے مہینے یوم النحر (عید کے دن) کی فجر طلوع ہونے پر ختم ہو جاتے ہیں۔

2 –( **فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلاَ رَفَثَ وَلاَ فُسُوقَ وَلاَ جِدَالَ فِي الْحَجِّ ط وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللَّهُ)** یعنی "جو شخص اپنے اوپر حج لازم کرے یعنی ان مہینوں میں حج کا احرام باندھ لے تو اس پر رفث، فسوق اور جدال حرام ہو جاتا ہے۔ (رَفَثٌ) کے معنی ہمبستری کرنے کے ہیں، یا اپنی بیوی کے ساتھ اس کا تذکرہ، اور وہ تمام امور جو جماع کے لوازم میں سے ہیں، وغیرہ تمام فحش باتیں۔

(فسوق )کے معنی معاصی اور معاصی کے اسباب کے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا" مسلمان کو گالی دینا فسوق ہے۔"

(جدال )کے معنی لڑنا جھگڑنا اور ہم سفر ساتھیوں یا دیگر حاجیوں کے ساتھ بحث و تکرار کرنا، اس حد تک کہ ان کو ناراض کر دے اور غصہ دلائے، شور شرابہ اور تنازع کھڑا ہو جائے۔(ضرورت کے مطابق اور مناسب طریقے سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا جدال میں سے نہیں)۔

ہم نے اس کو کیوں حرام کہا؟ تو اس کی وجہ اللہ سبحانہ کا یہ قول ہے :**(فَلاَ رَفَثَ وَلاَ فُسُوْقَ وَلاَ جِدَالَ فِي الْحَجِّ)**ان امور سے منع کیا ہے ،نیز اس کے بعد اللہ سبحانہ فرماتے ہیں**(وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ)**اس منطوق کا مفہومِ اشارہ یہ ہے کہ سابقہ اُمور، خیر میں سے نہیں۔یعنی یہ اُمور ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہیں۔ اس کے ساتھ ان میں سے بعض اُمور جیسے فسوق وصفِ مفہم ہے، جس یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے نہی قطعی ہے، چنانچہ یہ بھی نہی جازم (حتمی ممانعت ) کا قرینہ ہے۔ اس طرح ان امور سے نہی، حتمی نہی ہے اور یہ کہ حج میں ان کا ارتکاب کرنا حرام ہے۔

یہاں یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ یہ اُمور یا ان میں سے اکثر حرام ہی ہیں، خواہ حج میں ہو یا حج کے علاوہ، تو خاص کر ان اُمور کو حرام ٹھہرانے کی کیا وجہ ہے، مثلاً فسوق؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حج کے دوران ان افعال کا گناہ بڑھ جاتا ہے، اور اس کے جرم ہونے میں شدت آجاتی ہے، ایک اور جگہ بھی یہی انداز اختیار کیا گیا ہے،**(ومن يرد فيه بالحاد بظلم نذقه من عذاب اليم)**" اور جو چاہے اس میں گمراہی کو ظلم کے ساتھ، اس کو ہم درد دینے والے عذاب کا مزہ چکھائیں گے" حالانکہ ظلم کے ساتھ گمراہی پر حج میں بھی دردناک عذاب ہے اور حج کے علاوہ بھی۔ یا جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ قول(**مِنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ج ذٰلِکَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ج فَلاَ تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ**"ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں، یہی سیدھا دین ہے ، پس ان میں اپنے اوپر ظلم مت کرو" (التوبہ:36) حالانکہ ظلم تو اشہر حرام اور اس کے علاوہ تمام مہینوں میں بھی حرام ہے، پس یہاں اس کی تخصیص اس لیے کی گئی تاکہ ان مہینوں میں اس کے گناہ عظیم ہونے کو بیان کیا جائے۔

3 –(وَتَزَوَّدُوْا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ط وَاتَّقُوْنِ يَا أُوْلِي الأَلْبَابِ (**197**)

بخاریؒ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، کہ یمن کے کچھ لوگ حج کے لیے روانہ ہوتے وقت اپنے ساتھ کوئی توشہ نہیں لائے تھے، ان کا کہنا یہ تھا کہ ہم اللہ پر توکل کرتے ہوئے حج کریں گے، لیکن پھر لوگوں سے مانگنے پر مجبور ہوئے، چنانچہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی، یہاں زاد اپنے حقیقی معنوں میں ہے، یعنی سفر کے لیے کھانے پینے کا سامان اور توشہ تیار کرنا۔

جب اللہ تعالیٰ نے سفر کے لیے توشہ کا ذکر کیا تو اس مادی توشہ کے ساتھ ایک اور ضروری توشہ کی آگاہی بھی دی جو بہترین توشہ ہے، لیکن یہاں مجازی معنوں میں اس کو توشہ کہا گیا ہے، یعنی تمہارے لیے بہترین معاون تقویٰ ہے، تقویٰ کے شرعی معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی خشیت اور اس کی اطاعت۔ تو یہ اللہ سبحانہ کی طرف سے اس کی بات کی طرف رہنمائی ہے کہ حج کرنے والا شخص مادی توشہ ضرور لے کر جائے تاکہ سفر میں کام آئے اور حج میں لوگوں سے نہ مانگنا پڑے، لیکن اس مادی توشہ ،طعام اور خرچ، کے ساتھ وہ بہترین توشہ بھی شامل کرے جسے تقویٰ کہا جاتا ہے، یعنی اللہ کی اطاعت اور اس سے خوف، اس کے اوامر کی بجا آوری اور اس کے نواہی سے گریز و اجتناب کرنا۔

پھر اللہ تعالیٰ تمام صاحبانِ عقل و دانش سے خطاب کے ساتھ اس آیت کریمہ کا اختتام فرماتے ہیں، کہ اللہ سے ڈرو۔ اور عقلمندوں کو اس لیے خطاب کیا کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جو خیر و شر کے درمیان فرق کر سکتے ہیں، اللہ کی رحمت اور اس کی پکڑ میں تمیز کر سکتے ہیں، نیز وہ جانتے ہیں کہ کونسی چیز ان کی زندگی کے لیے نفع بخش ہے، اور کونسی ضرر رساں ہے؟ اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے دور رہتے ہیں، اور طاعات کے ذریعے اس کا قرب پا لیتے ہیں، نتیجتاً متقین میں سے ہو جاتے ہیں۔

4 – اللہ سبحانہ و تعالیٰ بیان فرماتے ہیں کہ تجارت کے کام یا جو تجارت کے حکم میں ہو ، مثلاً اپنا جانور یا اپنی گاڑی کسی کو اُجرت پر دینا، حج کے مہینوں میں صاحب احرام کے لیے یہ سب جائز ہیں، اس سے اس کا حج باطل نہیں ہوتا، بشرطیکہ اس نے حج کی نیت کی ہو اور اللہ سبحانہ کے لیے حج کا احرام باندھ لیا ہو، نیز حج کو تمام شرائط و ارکان کے ساتھ ادا کر دیا ہو۔

یہ نہ کہا جائے کہ حج عبادت ہے اور عبادت کے لیے نیت شرط ہوتی ہے، اس لیے جب کوئی حج کی نیت کرے یعنی حج کا احرام باندھ لے تو اس کے لیے حج کے علاوہ دوسرے کام سر انجام دینا جائز نہیں، جیسے کوئی نماز کی نیت باندھ لے ، تو اس کے لیے نماز کے علاوہ دیگر کام کرنا جائز نہیں ہوتے۔ اس لیے کہ عبادات میں قیاس نہیں کیا جاتا ، بلکہ عبادات کے بارے میں آنے والی نص کے مطابق عمل ہی اصل ہے، اور اس کی پابندی وہیں پر ضروری ہے جس جگہ یہ وارد ہوئی ہے، اس بنا پر حج کو نماز پر قیاس نہ کیا جائے۔ دوسری بات یہ کہ نماز کی نیت باندھنے کے بعد نماز کے دوران

کوئی اور کام جائز نہیں ہوتا، گویا اس حالت میں یہ وقت تنگ ہے، جبکہ حج کا وقت احرام کے بعد بھی وسیع وقت ہے، جس میں حج کے افعال کے علاوہ دیگر افعال کی بھی گنجائش ہوتی ہے، اَشہُرِ حج کی یہی حقیقت ہے، جو مناسک حج کے لیے لازمی دورانیہ قرار دیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ حج کے دنوں میں تجارت حلال ہونے کے حوالے سے قرآن مجید میں اسی آیت میں نص بھی وارد ہے، (لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلاً مِنْ رَبِّكُمْ) یعنی کہ اپنے پروردگار سے رزق مانگو، جیسے تجارت میں نفع وغیرہ۔

اور سنت میں بھی ایسا آیا ہے، جیسے امام احمد بن حنبلؒ نے ابو امامہ التیمی سے روایت کی ہے۔ **قال قلت لابن عمر انا نکری فھل لنا من الحج ؟ قال : الستم تلبون؟ الستم تطوفون بالبیت؟ الستم تطوفون بین الصفا و المروۃ؟ الستم ---- الستم ؟ قلت بلیٰ قال: ان رجلاً سال النبیﷺ عما سالت فلم یدرِ ما یرد علیه حتیٰ نزلت الآیۃ۔ فدعاہ فتلاہ علیه حین نزلت وقال : انتم الحجاج۔"** ابو امامہ التیمیؒ کہتے ہیں: میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: ہم تو کرایہ کش ہو کر آتے ہیں تو ہمارا بھی حج ہو گا؟ تو انہوں نے کہا: آپ لوگ تلبیہ نہیں پڑھتے ہو؟ بیت اللہ کا طواف نہیں کرتے ہو؟ صفا اور مروہ میں پھیرے نہیں لگاتے ہو؟ یہ یہ کام نہیں کرتے ہو؟ میں نے کہا کیوں نہیں؟ اس پر ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ایک آدمی نے نبی پاک ﷺ یہی پوچھا جو آپ نے پوچھا ہے تو آپ ﷺ کو اس کا جواب معلوم نہیں تھا، تا آنکہ آیت نازل ہوئی، پھر آنحضرت ﷺ نے اس آدمی کو بلایا اور یہ آیت اسے پڑھ کر سنائی، اور کہا: تم حاجی ہو۔ 5 – اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس آیت میں یہ بیان فرماتے ہیں کہ جب حاجی عرفات سے اتر کر مزدلفہ آئیں تو وہ مشعر حرام کے پاس اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں، اور انہیں چاہیے کہ جو ہدایت اللہ کی طرف سے انہیں ملی ہے، تو وہ حج جیسے عظیم فریضہ کی ادائیگی اور حج کے احکامات سیکھ لینے پر اللہ کا حمد بیان کریں، جبکہ وہ اس سے پہلے یعنی جاہلیت کے زمانے میں گمراہی پر تھے اور بنا ہدایت کے حج کیا کرتے تھے، اور اللہ کے ساتھ شرک بھی کرتے تھے۔ **(وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدَاكُمْ وَإِنْ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّالِّينَ (198))**" اور اس کا ذکر اس طرح کرو جس طرح اس نے تمہیں ہدایت کی ہے، جبکہ اس سے پہلے تم بالکل ناواقف تھے"

**(فَإِذَاأَفَضْتُمْ مِنْ عَرَفَاتٍ )** یعنی جب تم عرفات سے اُمنڈ آؤ۔ یہ فاض الماءُ سے ہے، یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب پانی گرتا ہوا بہہ جائے، اور بہت زیادہ ہو۔ اور یہاں (عَرَفَاتٍ) عرفہ کی جمع (Plural) نہیں، بلکہ عرفہ اور عرفات کے ایک ہی معنی ہیں، یہ حج میں ایک مشہور جگہ کا نام ہے، جمع کو نام بنایا گیا ہے، اس لیے اس کو دوبارہ جمع نہیں بنایا جاسکتا، اس کا واحد بھی نہیں، یعنی عرفات میں ایسے اجزاء نہیں، جن میں کا ہر ہر جزو عرفہ کہلاتا ہو، اور پھر عرفات اس کی جمع بنائی گئی ہو، نہیں ایسا نہیں بلکہ عرفہ اور عرفات دونوں کے ایک ہی معنی ہیں، اور یہ اس معروف ومشہور جگہ کا نام ہے، اس میں تاء تائے تانیث نہیں، اس لیے یہ منصرف ہے۔ (یعنی تنوین اور جر اس کے آخر میں آسکتے ہیں) **(وَإِنْ كُنتُمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّالِّينَ (198))** یعنی رسول اللہ ﷺ کے ہدایت لے کر تمہاری طرف آمد سے پہلے اور حج وغیرہ جیسے شرعی احکامات کے بیان سے قبل تم گمراہوں میں سے تھے۔ **(الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ)** یہ سارا کا سارا مزدلفہ ہے، جیسا کہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے کہا ہے، مزدلفہ کو جمع بھی کہتے ہیں۔

6 – اور آخری آیت میں اللہ سبحانہ مسلمانوں خواہ قریشی ہوں یا غیر قریشی، کو حکم دیتے ہیں کہ ان کی روانگی عرفات سے مزدلفہ کی طرف ہو، یعنی وقوف عرفات میں ہو مزدلفہ میں نہیں، اس میں قریش کی ایک عادت کو ختم کیا گیا ہے، جاہلیت کے زمانے میں قریش کی یہ عادت تھی کہ وہ مزدلفہ وقوف کیا کرتے تھے، باقی لوگوں کی طرح عرفات میں کھڑے نہیں ہوتے تھے، قریش جاہلیت کے زمانے میں عرفات میں اس لیے کھڑے نہیں ہوتے تھے، کیونکہ وہ حرم سے باہر واقع ہے، بلکہ مزدلفہ میں کھڑے ہوتے تھے، کیونکہ وہ حرم کی حدود میں واقع ہے۔ اور وہ کہا کرتے تھے، کہ ہم بیت اللہ الحرام کے باشندے ہیں سو ہم حرم سے نہیں نکلیں گے، اور حمس بھی کہلاتے تھے الغرض صرف قریش خاص کر مزدلفہ میں کھڑے ہوتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں قریش اور تمام مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: کہ عرفات میں جہاں اور لوگ کھڑے ہوتے ہیں، وہیں تم بھی کھڑے ہو، اور اپنی گزشتہ خطاؤں پر اللہ سے مغفرت مانگو، کہ تم غلط طریقے سے حج کیا کرتے تھے، اور اللہ سبحانہ اپنے مخلص بندوں کے گناہوں کو معاف کرنے والا اور ان پر مہربان ہے۔ بخاریؒ نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، وہ فرماتی ہیں: قریش اور جو لوگ ان کے دین پر تھے، مزدلفہ میں کھڑے ہوتے تھے، ان کو حمس کہا جاتا تھا، باقی سارے عرب عرفات میں کھڑے ہوتے تھے، پھر جب اسلام آیا، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے پیغمبر ﷺ کو حکم کیا کہ عرفات چلے جائیں اور وہیں وقوف کریں اور وہاں سے اتر کر آئیں، اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اس کا ذکر ہے کہ **(ثُمَّ أَفِيْضُوامِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ)** اس کے مطابق (ثُمَّ) کے ذریعے **(وَاتَّقُونِ يَا أُوْلِي الْأَلْبَابِ)** پر عطف کیا

گیا ہے ، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات میں معنوی اعتبار سے تقدیم و تاخیر ہے، اس آیت کے معنی کی ترتیب یوں بنتی ہے: اپنے ساتھ توشہ لے کر جایا کرو، کیونکہ بہترین توشہ تقویٰ ہے اور اے عقل والو! مجھ سے ڈرو، پھر جہاں سے لوگ اُتر کر آتے ہیں یعنی عرفات سے، تم بھی وہیں سے اُتر کر آؤ، مزدلفہ سے نہیں۔ جیسا کہ قریش جاہلیت میں مزدلفہ میں کھڑے ہوتے تھے، پس جب تم عرفات سے آجاؤ اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کر چکو تب مزدلفہ جاؤ اور مشعر حرام یعنی مزدلفہ کے پاس اللہ تعالیٰ کو یاد کرو، اور اللہ تعالیٰ نے جو ہدایت تمہیں دی اس پر اس کی حمد و ثناء بیان کرو، کیونکہ اس سے پہلے تم گمراہی میں پڑے تھے، اور ہدایت سے کوسوں دور تھے۔

یہاں یہ سوال ہوسکتا ہے کہ: جو چیز (ثُمَّ) کے بعد ذکر ہو وہ واقع میں پہلے کیسے ہو سکتا ہے؟ یعنی (ثُمَّ) کے مابعد والی چیز واقع میں اس سے پہلے ذکر شدہ چیز سے بھی پہلے ہو جائے؟ (اور وہ پہلے والی چیز مزدلفہ میں اللہ کا ذکر کرنا ہے، جو گزشتہ آیت میں ثُمَّ سے پہلے ذکر ہے۔)

ہم جانتے ہیں کہ (ثُمَّ) افعال میں تاخیر سمیت ترتیب پر دلالت کرتا ہے، یعنی (ثُمَّ) کے بعد جو کچھ ذکر ہوتا ہے، اس کا نمبر (ثُمَّ) سے پہلے ذکر شدہ چیز کے بعد آتا ہے، جس میں کچھ مہلت بھی ہوتی ہے۔ پس گزشتہ آیت (فَإِذَا أَفَضْتُمْ مِنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ) میں یہ ہے کہ مزدلفہ کے پاس اللہ کو یاد کرو، جس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حاجی مزدلفہ پہنچ کر ذکر کریں۔

اور اس آخری آیت میں (ثُمَّ أَفِيْضُوامِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ) آیا ہے (ثُمَّ) کو پڑھتے ہی جو معنی سمجھ میں آتے ہیں وہ یہ کہ: اس حال میں کہ تم مزدلفہ پہنچ گئے ہو اور اللہ کو یاد کرنے اور صبح کی نماز کے بعد منیٰ چلو، اس کے معنی تو یہی بنتے ہیں کہ مزدلفہ سے منیٰ چلو۔ اس بنا پر آیت کے معنی کس طرح اسباب نزول کے مطابق کیے جاسکتے ہیں؟ شان نزول کی روایات میں یہ واضح ہے کہ تمہاری روانگی عرفات سے ہو، نہ کہ مزدلفہ سے، جبکہ ہم جانتے ہیں کہ (ثُمَّ) کا مابعد اس کے ماقبل کے بعد واقع ہوتا ہے، نہ کہ اس سے پہلے؟

تو اس سوال کے جواب میں دو وجہیں ہیں:

اَ۔ بلاشبہ بخاری و مسلم نے اس آیت کے نزول کے حوالے سے جو احادیث روایت کی ہیں ان سے اس بات کو ترجیح حاصل ہوتی ہے کہ (ثُمَّ أَفِيْضُوامِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ) کے معنی یہی ہیں کہ عرفات سے روانگی ہو، مزدلفہ سے نہیں۔

ب۔ بیشک (ثُمَّ) کے وہی معنی ہیں جو سوال میں ذکر کیے گئے ہیں، یعنی ترتیب مع التاخیر اور یہ کہ اس کا مابعد اس کے ماقبل کے بعد واقع ہوتا ہے، لیکن (ثُمَّ) کے صرف یہی معنی نہیں ہوتے ہیں، بلکہ یہ اس کے علاوہ بھی استعمال کیا جاتا ہے، اس کا ایک استعمال یہ بھی ہے کہ اس کا مابعد وقوع میں پہلے نمبر پر ہو، اگرچہ یہ عربی زبان میں قلیل ہے۔ جیسے عرب کہتے ہیں: (اعجبنی ماصنعت الیوم ثم ما صنعت امس اعجب) "آج جو تم نے کیا مجھے پسند آیا، پھر جو کل تم نے کیا تھا وہ اس سے زیادہ پسند آیا۔" یہاں (ثم) لاکر "جو کل تم نے کیا تھا" کا عطف "آج جو تم نے کیا" پر ہے، یعنی لاحق کا عطف سابق پر ہے، جبکہ واقعاتی ترتیب میں یہ ایک دوسرے کے پیچھے نہیں، تو ایسے مواقع پر بھی اس کو استعمال کیا جاتا ہے، مگر مشہور یہ ہے کہ لاحق سابق کے بعد واقع ہو، اس لیے اس دوسرے طریقے پر اس کو استعمال کرتے وقت قرینہ ضروری ہوتا ہے۔ اور اس طور پر اس کے استعمال سے مراد ایک ایسے امر کو منظر عام پر لانا اور نمایاں کرنا ہوتا ہے، جس پر توجہ دلانا مقصود ہوتا ہے، کیونکہ ایک فصیح عربی کی جانب سے الفاظ کے استعمال میں ترتیب کا اختلاف کسی خاص غرض کے لیے ہوتا ہے، بلاوجہ نہیں ہوتا۔

عربوں کے سابق قول کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں (ثم) کے غیر مشہور معنی میں استعمال کا قرینہ پایا جاتا ہے، یعنی اس کا مابعد اس کے ماقبل سے پہلے ہے، اس پر (ثم) کے بعد لفظ (اَمسِ) اور (ثم) سے پہلے لفظ (الیوم) کا واضح استعمال دلالت کرتا ہے۔

جہاں تک اس چیز کا تعلق ہے جس کو عربوں کے اس قول میں نمایاں کرنا مقصود ہے، تو وہ یہ ہے کہ آج کے کیے ہوئے کام کی قیمت کو گھٹایا جائے، بظاہر تو یہ اس کے کل والے کام کی تعریف لگتی ہے، مگر حقیقت میں مخاطب کی توانائیوں کی مذمت ہے، کیونکہ اس کا کام آگے بڑھنے کے بجائے کل والے کام سے بھی کم ہوا، اس بنا پر آج کا کام کل کے کام سے ادنیٰ اور کم مقدار کا ہوا۔ اب ہم دیکھیں گے کہ آیت کریمہ میں اس بات کا کیا قرینہ ہے کہ یہاں (ثُمَّ) غیر مشہور معنی میں استعمال کیا گیا ہے، تو یہ قرینہ سببِ نزول ہے، جس کو بخاریؒ اور مسلم نے روایت کیا ہے۔ اور اس سے جو بات نمایاں کرنا مقصود ہے، وہ قریش کی اس عادت قبیحہ کا ابطال ہے کہ وہ مزدلفہ میں وقوف کرتے تھے، عرفات نہیں جاتے تھے، تو گویا اللہ سبحانہ نے جب سابقہ آیت کریمہ میں ان کا عرفات سے مزدلفہ کی طرف روانہ ہونے کا ذکر کیا، تو ایک دفعہ پھر ان کو نصیحت کی کہ عرفات سے مزدلفہ روانگی قریش پر اسی طرح ہی فرض ہے جیسا کہ دیگر لوگوں پر فرض ہے۔

ختم شد

# فاتحِ قسطُنطنیہ، سلطان محمد الفاتح اُن اہلِ قوت کے لیے متاثر کن اور حوصلہ افزاء مثال ہے جو مقبوضہ کشمیر اور القدس کو آزاد کرائیں گے اور روم کو فتح کریں گے

**تحریر: مصعب عمیر، پاکستان**

**بسم اللہ الرحمن الرحیم**

احمد نے اپنی مسند میں اور حاکم نے مستدرک میں عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت کیا کہ انہوں نے کہا: "جب ہم رسول اللہ ﷺ کے گرد جمع تھے اور لکھ رہے تھے تو ہم نے پوچھا کہ کونسا شہر پہلے فتح ہو گا، قسطنطنیہ یا روم؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **«مَدِينَةُ هِرَقْلَ تُفْتَحُ أَوَّلاً، يَعْنِي قُسْطَنْطِينِيَّةَ» "ھرقل کا شہر پہلے فتح ہو گا یعنی قسطنطنیہ"**۔ یہ 857 ہجری میں جمادی الاول کا اسلامی مہینہ تھا، جب اس کی 20 تاریخ کو مسلمانوں کے سلطان محمد الفاتح کو قسطنطنیہ کا شہر فتح کرنے کا اعزاز حاصل ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کی بشارت پوری ہوئی؛ اپنے ناقابل تسخیر دارالحکومت کی فتح کے نتیجے میں دشمن کے حوصلے ٹوٹ گئے اور وہ پسپائی اختیار کرنے پر مجبور ہوگئے۔ یوں سلطان الفاتح نے اسلام کی عالمی بالادستی کو مزید وسعت دی اور عالمی سپر طاقت کے حیثیت سے اسلامی ریاست کے مقام کو اتنا مستحکم کیا کہ جسے کوئی چیلنج نہ کر سکے۔ آج ہمارے دور کے اہلِ قوت میں موجود مخلص لوگوں کے لیے سلطان الفاتح کی زندگی میں ایک درخشاں اور متاثر کن مثال موجود ہے جن کے دل ذلت آمیز خارجہ پالیسی، دشمن کے مسلسل حملوں کے جواب میں ہاتھ روکے رکھنے کی بزدلانہ پالیسی، مسلم علاقوں پر قبضے اور مسلمانوں کے قتل عام سے سخت افسردہ ہیں۔ ایک اسلامی سیاسی و فوجی رہنما کی حیثیت سے سلطان محمد الفاتح اسلام کی تعلیمات سے بخوبی آگاہ تھے کیونکہ اُن کی تربیت اُس دور کے مشہور علماء نے کی تھی۔ یقیناً خلافت میں اہلِ قوت کی سیاسی و فوجی تعلیم و تربیت اسلام کی

سلطان الفاتح جانتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی بشارتوں کی کیا حیثیت ہے۔ آپ نے قسطنطنیہ کی فتح سے متعلق رسول اللہ ﷺ کی بشارت کو معمولی نہیں سمجھا تھا، نہ ہی محض ایک کہانی کے طور پر پڑھا تھا اور نہ ہی خود کو صرف دعا کرنے تک محدود رکھا تھا۔ اہل قوت کا سربراہ ہونے کی وجہ سے آپ کو اپنی ذمہ داری کا بھرپور احساس تھا اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انہیں کس صلاحیت سے نوازا ہے۔ محمد الفاتح نے زبردست کوشش کی کہ انہیں یہ اعزاز حاصل ہو جائے کہ وہ اس فوج کی قیادت کریں جس کے ہاتھوں قسطنطنیہ کی فتح کی بشارت کو پورا ہونا تھا اور جسے یہ عظیم عزت حاصل ہونا تھی۔

بنیاد پر کی جاتی ہے۔ اسلام ذاتی و انفرادی اعمال کے ساتھ ساتھ سیاسی و فوجی اعمال کے لیے بھی واحد بنیاد ہے اور اسلام سے ہٹ کر کیا جانے والا ہر عمل مسترد ہے۔ ایک مخلص اور باخبر مومن ہونے کے ناطے سلطان الفاتح جانتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی بشارتوں کی کیا حیثیت ہے۔ آپ نے قسطنطنیہ کی فتح سے متعلق رسول اللہ ﷺ کی بشارت کو معمولی نہیں سمجھا تھا، نہ ہی محض ایک کہانی کے طور پر پڑھا تھا اور نہ ہی خود کو صرف دعا کرنے تک محدود رکھا تھا۔ اہل قوت کا سربراہ ہونے کی وجہ سے آپ کو اپنی ذمہ داری کا بھرپور احساس تھا اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انہیں کس صلاحیت سے نوازا ہے۔ محمد الفاتح نے زبردست کوشش کی کہ انہیں یہ اعزاز حاصل ہو جائے کہ وہ اس فوج کی قیادت کریں جس کے ہاتھوں قسطنطنیہ کی فتح کی بشارت کو پورا ہونا تھا اور جسے یہ عظیم عزت حاصل ہونا تھی۔ احمد نے عبد اللہ بن بشر خثعمی سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے سنا، **«لَتُفْتَحَنَّ الْقُسْطَنْطِينِيَّةُ فَلَنِعْمَ الْأَمِيرُ أَمِيرُهَا وَلَنِعْمَ الْجَيْشُ ذَلِكَ الْجَيْشُ» "تم ضرور بالضرور قسطنطنیہ فتح کرو گے اور کیا ہی اعلیٰ اس کا امیر ہو گا اور کیا ہی اعلیٰ وہ لشکر ہو گا جو اسے فتح کرے گا"**۔ لہٰذا اہلِ قوت کو الفاتح کی زندگی سے سبق لینا چاہیے اور خود کو ان کے نقش قدم پر چلنے کے لیے تیار کرنا چاہیے۔ آنے والی خلافت میں سیاسی و فوجی قیادت رسول اللہ ﷺ کی بشارتوں کو حاصل کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرے گی چاہے اس بشارت کا تعلق روم کی فتح سے ہو یا ہند کو آزاد کرانے سے ہو یا یہود کو شکستِ فاش دینے سے ہو۔

مسلمانوں کی فوجی قیادت ہونے کے ناطے، سلطان الفاتح نے اس بات کو یقینی بنایا کہ مسلمانوں کی فوج کسی کی محتاج نہ ہو اور یہ ایک بہت طاقتور فوج ہو۔ اسلام کے معاشی نظام نے اس بات کو یقینی بنایا کہ اسلامی ریاست غیر ملکی طاقتوں کی مالی مدد پر انحصار کرنے والی نہ ہو بلکہ اس کے پاس جنگ کی تیاریوں کے لیے وافر وسائل میسر ہوں اور یہ دین کی رُو سے فرض ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، **وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِنْ دُونِهِمْ لاَ تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ** " اور جہاں تک ہو سکے (فوج کی جمعیت کے) زور سے اور گھوڑوں کے تیار رکھنے سے ان کے (مقابلے کے) لیے مستعد رہو تا کہ اس سے تم اللہ کے دشمنوں اور خود اپنے دشمنوں پر ہیبت ڈال سکو اوران لوگوں پر بھی جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے "(الانفال 8:60)۔ چونکہ الفاتح اسلام کی کے ذریعے حکمرانی کر رہے تھے، لہٰذا انہوں نے اپنے دشمن کے خلاف کبھی بھی کفار سے عسکری مدد یا اڈے حاصل کرنے کے متعلق نہیں سوچا۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **لا تستضيئوا بنار المشركين "مشرکین کی آگ سے روشنی مت لو** "(احمد، نسائی)۔ آگ کا لفظ یہاں جنگ کی معنوں میں کنایتاً استعمال ہوا ہے اور اس طرح اسلام کسی بھی ایسی خود مختار کافر وجود سے تعلقات قائم کرنے سے منع کرتا ہے جو مسلمانوں کے ساتھ حالت جنگ میں ہو، چاہے اس کا تعلق انٹیلی جنس معلومات کے تبادلے سے ہو یا افواج کی نقل و حرکت، حکمتِ عملی، رسد یا اسلحے سے ہو۔

چنانچہ الفاتح نے آبنائے دانیال Dardanelles کو عبور کیا، اور اپنی فوجوں کو آبنا کی ایشیائی سمت سے باسفورس کی طرف لے گیا اور انادولوہساری کے مقام پر آبنا کو یورپی سمت کی طرف عبور کر کے افواج کو رومیلی ہساری کے مقام پر لے گیا ۔ اِس مقام پر اُس نے اسلامی ریاست کے لیے ایک قلعہ تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا۔ الفاتح نے ہنگری کے ایک فوجی انجینئر اُوربَن کی خدمات حاصل کیں جس نے اسلامی ریاست کے لیے ایسی توپیں تیار کیں جو اس سے پہلے کبھی نہیں بنائیں گئیں تھیں۔ جیسے ہی قلعہ تعمیر ہوا تو 31 اگست 1452 عیسوی کو ایک توپ قلعہ کے ایک مرکزی مینار پر نسب کر دی گئی۔ الفاتح نے عثمانی بحری بیڑے کو "سنہرہ سینگ"Golden Horn میں اتارنے کے لیے چالاک تدبیر اختیار کی۔ محاصرے کی ابتداء میں اس نے انجینئرز کو حکم دیا کہ وہ ایک سڑک بنائیں جو انہیں پہاڑیوں پر سے گزارتے ہوئے اور گالاٹا کے قصبے کو پیچھے چھوڑتے ہوئے باسفورس سے سنہرے سینگ کے مقام پر لے جائے۔ 22 اپریل کو اسلامی ریاست کے مسلمان انجینئرز نے بیلوں کی مدد سے 72 بحری جہازوں کو اس سڑک پر بچھائے گئے چربی لگے تختوں پر گھسیٹا اور سنہرے سینگ کے ساحلوں پر(Valley of springs (Kasimpasa کے مقام پر پہنچ گئے اور پھر ان جہازوں پر توپیں نصب کی گئیں جو پہلے ہی وہاں پہنچا دی گئی تھیں۔ قسطنطنیہ کے شہر میں موجود کفار کی افواج اسلامی ریاست کے بحری بیڑے کو سنہرے سینگ کے مقام پر دیکھ کر سخت حیرت زدہ ہو گئیں، یوں شمال کی جانب سے قسطنطنیہ پر حملہ ممکن ہو گیا۔ یورپی مورخ کریتوبولوس(Kritoboulos) نے لکھا ہے کہ "سنہرے سینگ کے مقام پر ترک بحریہ کو دیکھ کر یونانی حیرت زدہ رہ گئے کہ ناممکن کیسے ممکن ہو گیا اور سخت پریشانی اور اضطراب کا شکار ہو گئے۔ انہیں کچھ سوجھ نہیں رہا تھا کہ اب کیا کریں اور وہ مایوسی کا شکار ہو گئے"۔ کفار کے دلوں میں خوف پیدا کرنا صرف اس وجہ سے ممکن ہوا کیونکہ اسلامی ریاست نے کسی بھی معاملے میں کفار پر انحصار نہیں کیا ،وہ اپنے معاملات میں مکمل طور پر آزاد اور خود مختار تھی اور اس نے صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ پر انحصار کیا۔

تو اہل قوت کو الفاتح کی مثال سے سبق اور حوصلہ لینا چاہیے اور خود کو تیار کرنا چاہیے۔ آنے والی خلافت میں سیاسی و فوجی قیادت اس بات کو یقینی بنائے گی کہ مسلمان معیشت اور صنعت کے شعبوں کے ساتھ ساتھ فوجی اسلحے، رسد اور حکمت عملی میں بھی کسی پر انحصار نہ کریں تا کہ اسلام کے علاقوں کو آزاد کرانے کے اپنے فرض کو بغیر کسی رکاوٹ اور بہانوں کے پورا کر سکیں۔

امت کی سیاسی قیادت ہونے کے ناطے

اسلام کے پیغام کو دعوت و جہاد کے ذریعے پھیلانے کے لیے سلطان محمد الفاتح نے قسطنطنیہ کی فتح کو مستحکم کیا۔ اسلام میں حکمران کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ خلافت کی حدود کو وسیع کرتا رہے، نئے علاقوں کو کفر کی حکمرانی کے ظلم سے آزاد کرائے تا کہ اسلام کو غیر مسلموں پر نافذ کیا جا سکے۔ لہٰذا غیر مسلم بلا روک ٹوک اپنی آنکھوں سے اسلام کی عظمت اور انصاف کا مشاہدہ کریں اور کسی زبردستی اور دھونس کے بغیر بڑی تعداد میں اسلام کو قبول کرنے کے لیے تیار ہو سکیں۔ یقیناً اگر آج مسلمان دنیا بھر میں بڑی تعداد میں موجود اور پھیلے ہوئے ہیں تو اس کی وجہ یہی طریقہ کار ہے جسے خلافتِ راشدہ نے رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق اختیار کیا تھا اور جس کا سلسلہ 1924 عیسوی میں خلافت کے انہدام تک جاری رہا تھا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، **هُوَ الَّذِيٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ** " وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اس (دینِ اسلام ) کو (دنیا کے) تمام دینوں پر غالب کر دے "(التوبہ 9:33)۔

قسطنطنیہ کی فتح کے بعد مسلمان نماز جمعہ کے لیے جمع ہوئے، سلطان نے اعلان کیا کہ تمام تعریفیں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لیے ہی ہیں جو تمام جہانوں کا مالک ہے جس کے جواب میں فاتح مسلمان لشکر نے ہاتھ اٹھائے اور خوشی سے نعرے بلند کیے۔ سلطان نے مسجدیں اور دیگر کئی عمارتیں بنوائیں جو کہ یونانی قسطنطنیہ کو، جو کہ بازنطینی سلطنت کا دارالحکومت تھا، اسلامی استنبول بنانے کا پہلا مرحلہ تھا، جو اب اسلامی ریاست کا دارالحکومت تھا۔ اس شہر نے رومیلی ہساری اور Yedikule کے قلعوں، مسجد الفاتح اور محمود پاشا کی مسجد، ایسکی سرے اور توپ کاپی سرے کے محلات، چھت والا بازار، سنہرے سینگ کے مقام پر بحری بیڑہ، باسفورس میں توپیں بنانے کا کارخانہ اور ان میناروں کی تعمیر دیکھی جو آیا صوفیہ کی مسجد پر تعمیر کیے گئے تھے۔

سلطان ہونے کی حیثیت سے محمد الفاتح نے غیر مسلموں کو یقین دلایا کہ وہ محفوظ ہیں اور ریاست کے شہری ہیں اور ان کے دلوں کو اسلام قبول کرنے کے لیے نرم کیا۔ غیر مسلموں کو ان کے مذہب کی بنیاد پر ملتوں کے نظام میں تقسیم کیا گیا۔ لہٰذا یونانی قوم کی نمائندگی آرتھوڈوکس کلیسا، آرمینیا کی نمائندگی جارجیین کلیسا اور یہود کی نمائندگی ان کا سب سے بڑا ربی کرتا تھا۔ ملت کا نظام اسلامی ریاست کی اس صفت کا مظہر تھا کہ یہ ریاست کئی قومیتوں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے، جس کے تحت غیر مسلموں کو یہ اجازت تھی کہ وہ اپنے مذہبی معاملات خود چلائیں اور اسلامی ریاست سے اپنے حقوق کا تقاضا کریں۔

تو اہلِ قوت کو الفاتح کی مثال سے سبق اور حوصلہ لینا چاہیے اور خود کو تیار کرنا چاہیے۔ آنے والی خلافت کی افواج بہادری کے ساتھ آگے بڑھتی رہیں گی تاکہ اسلامی حدود کو مسلسل وسیع کیا جائے، لوگوں کو انسانوں کے بنائے قوانین کے ظلم سے نجات دلائی جائے، دینِ حق کو قبول کرنے کے لیے غیر مسلموں کو آسانی فراہم کی جائے۔ خلافت ویسٹ فیلیا Westphalia کے قومی ریاستوں کے تصور کو اپنے پیروں تلے کچل دے گی اور نارملائزیشن اور تحمل کی پالیسی کو مسترد کر دے گی۔ جی ہاں، اہلِ قوت کو الفاتح کی مثال سے سبق اور حوصلہ لینا چاہیے۔ یقیناً وہ نا تو

ایک ایسے وقت میں جب مقبوضہ کشمیر میں مودی نے شیطانیت مچار کھی ہے اور عظیم و بابرکت مسجد الاقصیٰ یہود کے زیر قبضہ ہے، تو آج کے اہلِ قوت بھی اسلام کے نفاذ کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کی بشارتوں کو حاصل کر سکتے ہیں۔ تو اہلِ قوت کو آگے آنا چاہیے اور حزب التحریر کے امیر، عالی قدر فقیہ عطاء بن خلیل ابو الرشتہ کو نُصرہ فراہم کر کے خلافت کی واپسی کی بشارت کو پورا کرنا چاہیے۔

پیغمبروں میں سے تھا اور نا ہی صحابہؓ میں سے تھا مگر ایک مخلص، نیک اور باخبر مسلمان تھا۔ اُس نے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ جو وعدہ کیا تھا وہ اُس کے ساتھ سچا تھا۔ اُس نے نہ صرف اسلام کو اپنی ذاتی زندگی پر بلکہ ریاست کے امور بشمول جنگ اور شہریوں کے امور دیکھ بھال پر بھی مضبوطی سے نافذ کیا۔ ایک ایسے وقت میں جب مقبوضہ کشمیر میں مودی نے شیطانیت مچار کھی ہے اور عظیم و بابرکت مسجد الاقصیٰ یہود کے زیر قبضہ ہے، تو آج کے اہلِ قوت بھی اسلام کے نفاذ کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کی بشارتوں کو حاصل کر سکتے ہیں۔ تو اہلِ قوت کو آگے آنا چاہیے اور حزب التحریر کے امیر، عالی قدر فقیہ عطاء بن خلیل ابو الرشتہ کو نُصرہ فراہم کر کے خلافت کی واپسی کی بشارت کو پورا کرنا چاہیے۔ احمد نے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، «ثُمَّ تَكُونُ مُلْكًا جَبْرِيَّةً فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ ثُمَّ سَكَتَ» "**پھر ظلم کی حکمرانی ہو گی اور اس وقت تک رہے گی جب تک اللہ چاہے گا۔ پھر جب اللہ چاہے گا اسے ختم کر دے گا۔ پھر نبوت کے طریقے پر خلافت ہو گی، اس کے بعد آپ ﷺ خاموش ہو گئے**" (احمد)۔ اور اہل قوت کو روم کی فتح کے ساتھ ساتھ ہند میں اسلام کی بالادستی کی رسول اللہ ﷺ کی بشارت کو حاصل کرنے کے لیے بھی سوچنا چاہیے۔ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ، وَعَدَنا رسولُ اللّهِ (ص) غزوةَ الهند، فإنْ أدركتُها أُنْفِقْ نفسي ومالي، وإنْ قُتِلْتُ كنتُ أفضلَ الشهداء، وإنْ رجعتُ فأنا أبو هريرة المُحَرَّرُ "**رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم (مسلمانوں) سے ہندوستان پر لشکر کشی کا وعدہ فرمایا، یعنی پیش گوئی کی، تو اگر ہند پر لشکر کشی میری زندگی میں ہوئی تو میں جان و مال کے ساتھ اس میں شریک ہوں گا۔ اگر میں قتل کر دیا گیا تو بہترین شہداء میں سے ہوں گا، اور اگر زندہ واپس آ گیا تو میں (جہنم سے) نجات یافتہ ابوہریرہ کہلاؤں گا**" (احمد، نسائی، حاکم)۔ ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، عِصابتان من أُمّتي أَحْرَزَهُما اللّهُ من النار: عِصابةٌ تغزو الهندَ، وعِصابةٌ تكون مع عيسى ابن مريم عليهما السلام "**میری امت میں دو گروہ ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے جہنم سے محفوظ کر دیا ہے۔ ایک گروہ وہ ہو گا جو ہند پر لشکر کشی کرے گا اور ایک گروہ وہ ہو گا جو عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے ساتھ ہو گا**" (احمد، نسائی)۔

**ختم شد**

# شیطانیت پر مبنی بھارتی ہندوتوا حکمران انسانیت سوز مظالم کے ذریعے مسلمانوں کی حیثیت کو تبدیل کر رہے ہیں

تحریر: بلال المہاجر، پاکستان

**بسم اللہ الرحمن الرحیم**

بھارتی دارالحکومت نئی دہلی میں اسلامی یونیورسٹی کے طلباء نے شہریت ایکٹ میں ترمیم کے خلاف مظاہرے شروع کیے جسے پارلیمنٹ نے دسمبر 2019 میں منظور کیا تھا۔ یہ ایکٹ اُن افغانیوں، پاکستانیوں اور بنگالیوں کو بھارتی شہریت کے حصول میں اس شرط پر آسانی فراہم کرتا ہے جو بھارت میں پانچ سال سے مقیم ہو اور ساتھ ہی غیر مسلم بھی ہوں۔ پارلیمنٹ کی جانب سے منظور ہونے والے اس نئے ایکٹ نے پاکستان، افغانستان اور بنگلادیش سے تعلق رکھنے والی مذہبی اقلیتوں جیسا کہ عیسائی اور ہندوں پر بھارت کے دروازے کھول دیے ہیں جو بھارت میں 2015 سے پہلے سے مقیم ہیں اگر وہ صرف اتنا کہہ دیں کہ ان ممالک میں وہ مظالم کا سامنا کر رہے تھے۔

1947 میں بھارت کو آزادی اور برطانوی ایجنٹ حکمرانوں کو اقتدار دینے کے بعد سے، جنہوں نے بھارت پر برطانیہ کے بنائے آئین اور قانون کی بنیاد پر حکمرانی کی، برطانیہ بھارت کی وفاداری اور طابعداری سے مطمئن تھا کیونکہ پورا کا پورا سیاسی میدان اس ہی کے حمایت یافتہ سیاسی جماعتوں اور افراد سے بھرا پڑا تھا۔ آزادی کے بعد سے ہی بھارت اپنے اسلامی ماحول میں ایک معمول کی زندگی گزانے کی بھرپور کوشش کرتا چلا آرہا تھا۔ اس اسلامی ماحول کی وجہ بھارت کی وہ تاریخ ہے جہاں ایک طویل عرصے تک مسلمانوں نے اسلام کی بنیاد پر حکمرانی کی تھی۔ کانگریس جماعت نے ایک طویل عرصے سے بھارت پر حکمرانی کی جبکہ بھارتیہ جنتا پارٹی (بی جے پی) حزب اختلاف کی کئی دوسری چھوٹی جماعتوں میں سے ایک چھوٹی سی جماعت تھی۔ بی جے پی کو بھی انگریز نے ہی اسی سیاسی میدان کے ذریعے بنایا تھا جو اس کا وفادار تھا یہاں تک کہ جمہوری نظام حکمرانی کے ذریعے جمہوری عمل کو

جب 1996 میں بی جے پی زبردست امریکی حمایت کی مدد سے اقتدار حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی تو بھارت میں امریکی اور برطانوی مفادات کے درمیان مقابلہ شروع ہوگیا۔ امریکا نے خطے میں اپنے منصوبوں پر عمل درآمد کے لیے بھارت کو استعمال کرنا شروع کیا۔ خطے میں امریکا کے دو اہم منصوبے ہیں: چین کو اس کی سرحدوں میں محدود کرنا اور پاکستان، بنگلادیش اور افغانستان میں اسلام کے ظہور کو روکنا

مکمل کیا گیا۔ لیکن جیسے جیسے برطانوی مفادات کمزور ہوئے اور بین الاقوامی سطح پر اثرانداز ہونے کی اس کی صلاحیت کمزور ہوتی چلی گئی اور ساتھ ہی امریکا نے دوسری جنگ عظیم کے بعد اپنی بین الاقوامی معاملات سے دوری ختم کی اور بین الاقوامی صورتحال پر اپنا تسلط بڑھاتا چلا گیا تو امریکا نے بھارت کے سیاسی میدان میں موجود کئی کھلاڑیوں کو اپنا حمایتی بنالیا جس میں خصوصی طور پر بی جے پی شامل تھی جس نے خود کو ہندو قوم پرست کے طور پر پیش کیا۔ یہ صورتحال امریکی صدر بل کلنٹن کے دور میں الیکٹرانک کمپنیوں کے ذریعے پیدا ہوئی جو عالمی مارکیٹوں میں اس وقت چھاگئے تھے۔ بنگلور کا شہر ایک الیکٹرانک شہر بن گیا جسے "انڈین سیلیکون ویلی" کہا جانے لگا۔ جب 1996 میں بی جے پی زبردست امریکی حمایت کی مدد سے اقتدار حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی تو بھارت میں امریکی اور برطانوی مفادات کے درمیان مقابلہ شروع ہوگیا۔ امریکا نے خطے میں اپنے منصوبوں پر عمل درآمد کے لیے بھارت کو استعمال کرنا شروع کیا۔ خطے میں امریکا کے دو اہم منصوبے ہیں: چین کو اس کی سرحدوں میں محدود کرنا اور پاکستان، بنگلادیش اور افغانستان میں اسلام کے ظہور کو روکنا۔ ان دو اہداف کو حاصل کرنے کے لیے امریکا نے بھارت کو کئی طریقوں سے طاقت بخشی تاکہ وہ خطے میں اپنی بالادستی قائم کرسکے۔ لہٰذا بھارت نے کئی سیاسی، معاشی اور دفاعی معاہدے بنگلادیش کے ساتھ کیے یہاں تک کہ تجزیہ نگار یہ سمجھنے لگے کہ بنگلادیش بھارت کی ایک طفیلی ریاست بن گیا ہے جبکہ وہ اندر سے اب بھی مکمل طور پر برطانوی مدار میں ہی ہے۔ امریکا نے بھارت اور پاکستان کے درمیان تعلقات کو نارملائز کرنے کے لیے پاکستان میں امریکی ایجنٹ حکمرانوں کے ذریعے کام کیا یہاں تک کہ پاکستان کے حکمرانوں نے بھارت کو فائدہ پہنچانے کے لیے کشمیر سے دستبرداری اختیار کرلی۔ امریکا نے یہ اس وجہ سے کیا تاکہ بھارت کو خطے میں آگے بڑھنے کا حوصلہ ملے اور وہ ایک ایسی طاقتور قوم نظر آئے جو اپنے دشمن پاکستان کے خوف کے بغیر اپنے مفاد کے حصول کے لیے آگے بڑھتی ہے جبکہ پاکستان کو کوئی لحاظ

سے بھارت پر فوجی بالادستی بھی حاصل ہے۔ امریکا نے افغانستان پر اپنے قبضے کے بعد بھارت کو وہاں پر اپنے قدم جمانے کا موقع فراہم کیا۔ اس سال مودی کے انتخابات میں کامیابی کے بعد، جبکہ وائٹ ہاوس میں ٹرمپ موجود ہے اور اس نے اسلام کے خلاف ایک عالمی صلیبی جنگ بھی جاری رکھی ہوئی ہے، بھارت کو یہ حوصلہ ملا کہ وہ خطے میں اپنے اور امریکا کے مفاد کے لیے مسلمانوں کے خلاف اقدامات اٹھائے۔ اس پس منظر کو اگر سامنے رکھا جائے تو مسلمانوں کے خلاف امتیازی قانون کے نفاذ اور مقبوضہ کشمیر کے انضمام کے پیچھے چھپے مقاصد واضح ہو جاتے ہیں۔ بھارت کے وسیع رقبے اور آبادی کے باوجود جو کہ ایک ارب سے زائد ہے، بھارت ایک ٹوٹی ہوئی کمزور ریاست ہے کیونکہ یہ ایک ایسا ملک ہے جہاں کئی لسانی اور مذہبی گروہ رہتے ہیں۔ اس وجہ سے بھارت کے معاشرے میں تنازعات اور تقسیم ایک عمومی خصوصیت ہے۔ قدرتی وسائل سے مالا مال ہونے کے باوجود اس کی آبادی کا ایک بڑا حصہ ریاست کی جانب سے سرمایہ دارانہ نظام کے نفاذ کی وجہ سے غربت میں زندگی گزار رہا ہے اور کرپشن ایک ناسور کی صورت میں ریاست کے ہر شعبے میں موجود ہے کیونکہ برطانوی استعمار جہاں جہاں سے گیا وہاں اس "تحفے" کو چھوڑ کر ہی گیا۔ ان کمزوریوں کے باوجود امریکا اور برطانیہ یہ چاہتے تھے کہ بھارت خطے میں ایک بالادست قوت کا کردار ادا کرے اور اسی لیے اسے وہ ذرائع فراہم کیے کہ وہ مصنوعی طاقت پیدا کرے تاکہ وہ یہ کردار ادا کر سکے۔ اگر عرب اور مسلم دنیا کے حکمران بے عمل اور غدار نہ ہوتے جنہوں نے بھارت کو "گریٹر انڈیا" بننے کی راہ ہموار کی، تو بھارت کسی صورت مسلمانوں اور مقبوضہ کشمیر کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا تھا۔ پاکستان تنہا ہی بھارتی آرزوں کو ختم کر سکتا ہے اگر پاکستان کی قیادت اللہ سبحانہ و تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور امت سے مخلص اور وفادار ہو۔ خلیج کی ریاستوں نے بھارت میں اربوں ڈالر کی سرمایہ کاری کی ہوئی ہے اور ساتھ ہی ساتھ لاکھوں بھارتی مزدور اور کاروباری حضرات وہاں کام کرتے ہیں۔ خلیج کی ریاستیں باآسانی بھارت کو مسلمانوں کے خلاف امتیازی سلوک روا رکھنے سے روک سکتی تھیں۔ ہندو ریاست بہت حد تک یہودی وجود سے مماثلت رکھتی ہے۔ یہ دونوں قومیں مصنوعی ہیں۔ یہودی وجود کو زبردستی مسلم دنیا کے وسط میں قائم کیا گیا جبکہ ہندو ریاست کے چاروں طرف اور اندر بھی کروڑوں شیر دل مسلمان بستے ہیں۔ ہندو ریاست اور یہودی وجود

ہندو ریاست بہت حد تک یہودی وجود سے مماثلت رکھتی ہے۔ یہ دونوں قومیں مصنوعی ہیں۔ یہودی وجود کو زبردستی مسلم دنیا کے وسط میں قائم کیا گیا جبکہ ہندو ریاست کے چاروں طرف اور اندر بھی کروڑوں شیر دل مسلمان بستے ہیں۔ موجودہ بھارتی ریاست ہندو اقلیت پر قائم کی گئی جسے برطانیہ نے بھارت میں سیاسی تحریک کے ذریعے قائم کیا بالکل ویسے ہی جیسے برطانیہ نے دنیا میں صہونیت پیدا کی۔

دونوں ہی کی کوئی سماجی اور ثقافتی جڑیں نہیں ہیں اور نہ ہی ان کی کوئی عظیم تاریخ ہے۔ موجودہ بھارتی ریاست ہندو اقلیت پر قائم کی گئی جسے برطانیہ نے بھارت میں سیاسی تحریک کے ذریعے قائم کیا بالکل ویسے ہی جیسے برطانیہ نے دنیا میں صہونیت پیدا کی۔ ہندو مذہب اصل میں ایک غیر اہم مذہب تھا جس کا زندگی یا سیاست پر کوئی اثر نہیں تھا۔ لیکن انگریز نے اپنی شرارت سے اس گروہ کو سیاسی گروہ میں تبدیل کیا تا کہ برصغیر میں مسلمانوں اور اسلام کا مقابل کر سکے۔ اس تحریک کی قیادت اب بھارتیا جنتا پارٹی کر رہی ہے۔ بی جے پی کی ریاست بہت کمزور ہے اور اس قابل نہیں کہ وہ ایک آزاد اور خطے کی اہم ریاست بن سکے۔

یہ حقیقت ہے کہ یہ امتیازی قانون مسلمانوں کو متاثر نہیں کر سکے گا بلکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ ریاست ایک نسل پرست ریاست ہے۔ لیکن اس کی ایک سیاسی اہمیت ہے کیونکہ اس کی منظوری ریاست کو یہ حوصلہ فراہم کرے گی کہ وہ مسلمانوں کے خلاف مزید اقدامات اٹھائے۔ اسلام اور مسلمان بنیادی طور پر ہند میں ہندو ریاست کو تسلیم ہی نہیں کرتے کیونکہ ہند کو مسلمانوں نے فتح کیا تھا اور اس پر صدیوں تک حکمرانی کی ہے۔ تو مسلمان کس طرح اس نسل پرست ریاست کی قوم پرستی پر چیخ و پکار کر سکتے ہیں؟ اگر اسلامی امت کے غافل حکمران، روابیدہ، مطیع نہ ہوتے اور خلافت موجود ہوتی جو امت کی نمائندگی کرتی اور اس کا تحفظ کرتی، تو گائے کی پوجا کرنے والے انسانیت کی فلاح کے لیے لائی جانے والی اس بہترین امت کی حیثیت و مقام کو تبدیل کرنے سے خوفزدہ ہوتے۔ یہ صورتحال برصغیر کے مسلمانوں کے لیے ایک اور محرک ہے کہ وہ اس علاقے میں خلافت کے قیام کے لیے زبردست جدوجہد کریں تاکہ وہ رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کے مطابق اسلام کے انصاف کا مشاہدہ کریں اور اس سے رہنمائی لیں، **إِنَّمَا الْإِمَامُ جُنَّةٌ يُقَاتَلُ مِنْ وَرَائِهِ وَيُتَّقَى بِهِ** "امام (خلیفہ) ڈھال ہے جس کے پیچھے رہ کر وہ لڑتے ہیں اور اس کے ذریعے تحفظ حاصل کرتے ہیں"۔

**الرایہ میگزین کے شمارہ 266 کے لیے یہ مضمون تحریر کیا گیا**

**ختم شد**

# ہندوستان کی تاریخ کو کیسے مسخ کیا گیا؟

تحریر محمد عمر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آپ کو یاد ہو گا لڑکپن میں مطالعہ پاکستان کے پرچے میں قائد اعظم کے 14 نکات کے علاوہ جو ایک سوال تواتر سے پوچھا جاتا تھا وہ تھا مغلوں کے زوال کے اسباب بیان کریں۔ اور جس طرح طالبعلم 14 نکات کو رٹتے تھے اسی طرح کوئی سولہ یا سترہ کے قریب زوال کے اسباب بھی یاد کرتے تھے۔ ان میں سے کچھ ابھی بھی میرے ذہن میں محفوظ ہیں۔ مثلاً مغل شہزادوں کی عیاشیاں، آپس کی ریشہ دوانیاں، سائنس اور ٹیکنالوجی پر توجہ نہ دینا، فوجی قوت کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ نہ کرنا، مراٹھوں کی بغاوت وغیرہ وغیرہ۔ آج بھی اس سوال کا ایسا ہی جواب بچوں کو پڑھایا جارہا ہے۔ معاشرتی علوم کی ساتویں جماعت کی کتاب چند روز قبل میری نظروں سے گزری، جس میں درج مغلوں کے زوال کا پہلا سبب پیش خدمت ہے۔

The Ruling class, especially Mughal Court, had rapidly grown corrupt both ethically and morally. After the death of Aurangzeb, his successors proved inept, abundance of wealth created problems, martial way of life became tough for rulers and drinking was the norm of the day.

زوال کے پہلے سبب میں اورنگزیب کے ساتھ کچھ رعایت روا رکھی گئی اور یہ تاثر دیا گیا کہ زوال اورنگزیب کے بعد آیا۔ مگر دوسرے سبب میں اورنگزیب کی پالیسیوں کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے:

The Mughal Empire lacked the ideology base. It was only Aurangzeb (1658-1707) a later declared Islam Mughal ruler, who as a state religion and tried to put state affairs in line with Shariah. But as such a belated stage, it only promoted the anti-Mughal resentment in minorities of the subcontinent. As a result, Aurangzeb got engaged in a series of local insurgencies including the campaigns against the Sikhs of Punjab and Marathas of South India. The central government weakened and the provinces grew autonomous that created financial crunch for the centre.

مطلب پوری کی پوری مغل ایمپائر کسی بھی نظریہ پر کھڑی نہ تھی۔ اورنگزیب پہلا اور آخری حکمران تھا جس نے اسلام کو ریاست کے مذہب کے طور پر اختیار کیا اور کوشش کی کہ ریاستی امور کو شریعت کے مطابق چلایا جائے۔ مگر شریعہ کے نفاذ کی یہ کوشش اقلیتوں کیلئے بے چینی کا باعث بنی اور سکھوں اور مراٹھوں کی بغاوت نے سر اٹھا لیا۔ یقیناً مغلیہ حکومت کے زوال کے کچھ اسباب بھی تھے ظاہر ہے کہ زوال کا سفر بے سبب تو نہ تھا۔ مگر اوپر بیان کئے گئے ان دو اسباب میں ہی ہمیں ایک تضاد نظر آتا ہے۔ پہلے سبب میں یہ کہا گیا کہ اورنگزیب کی وفات کے بعد ان کے جانشین نااہل ثابت ہوئے اور دولت کی فراوانی بھی مسائل کا باعث بنی۔ جبکہ دوسرے سبب میں یہ دعویٰ کیا گیا کہ ریاستوں کی خود مختاری کے باعث مرکز کمزور ہوا اور اسے مالی مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ اسی طرح جہاں ایک طرف تو شریعت کے نفاذ کی تعریف کی گئی دوسری طرف اسی نفاذ کو زوال کا سب سے بڑا سبب گردانا گیا۔

بہر حال زوال کے اسباب کے بارے میں اس سوال کا جواب تحریر کرتے کرتے مغل حکمرانوں کے بارے میں ایک خاص نقطہ نظر پروان چڑھتا ہے۔ اور وہ 'نقطہ نظر' یہ ہے کہ یہ مطلق العنان بادشاہ تھے۔

عیاشیوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ پڑھنے لکھنے سے ان کا دور دور تک کوئی تعلق واسطہ نہیں تھا۔ اقتدار کے لالچ نے ان کو اندھا کر دیا تھا۔ ہر وقت آپس میں جنگ وجدل میں مصروف رہتے وغیرہ وغیرہ۔

زوال کا یہ نظریہ دھیرے دھیرے ہندوستان کے بسنے والوں کے دماغوں میں ڈالا گیا۔ اور اگر مغل حکومت کو زوال ہو بھی رہا تھا تو اسے ہندوستانی معاشرے کے زوال کے طور پر پیش کیا گیا۔ اس نظریے کو نہ صرف تاریخ بلکہ نصاب کی کتابوں کے ذریعے بھی پروان چڑھایا گیا۔ زوال کے اسی نظریے کے بارے میں معروف پاکستانی مورخ ڈاکٹر مبارک علی اپنی کتاب برطانوی راج میں لکھتا ہے، "ہندوستان میں برطانوی

اقتدار اور اس کے پھیلاؤ کو زوال کے پس منظر میں دیکھا جاتا ہے اس سے یہ تاثر ابھرتا ہے کہ مغل زوال کے بعد ہندوستان کا معاشرہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر رہا تھا، اس کی معیشت تباہ ہو رہی تھی، اس کی اخلاقی اقدار گر رہی تھیں۔ اس کے سماجی اور ثقافتی ادارے ٹوٹ رہے تھے۔ ان حالات میں جب طاقت واقتدار کا خلا تھا، اس وقت انگریزی حکومت نے اسے پُر کیا اور ہندوستان کے حالات کو سنبھالا۔ انہوں نے خانہ جنگی کو ختم کیا، ٹھگوں، ڈاکوؤں اور لٹیروں سے راستوں کو محفوظ کیا، ملک میں امن وامان کو بحال کیا اور ایک ایسی مضبوط ریاست کی بنیاد ڈالی کہ جس نے سیاسی اور معاشی استحکام کو پیدا کیا۔۔۔ جتنا زوال اور اس کے نتائج کو بیان کیا جائے گا اسی قدر انگریزی اقتدار کی اہمیت بڑھتی چلی جائے گی۔ گویا انگریزوں نے ہندوستان کی ایک تاریک تصویر کھینچی کہ جس میں وہ روشنی بن کر آتے ہیں اور زوال کے عمل کو روک کر یہاں استحکام پیدا کرتے ہیں۔"

معروف برطانوی ادیب اور مورخ بیورلی نکلس نے اپنی کتاب ورڈکٹ آن انڈیا میں لکھا تھا۔
"جلد یا بدیر ایک وقت آئے گا جبکہ دنیا یہ محسوس کرے گی کہ برطانیہ کا ذہنی اور علمی اقتدار ہندوستان سے کبھی زائل نہیں ہو گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم سے کچھ کوتاہیاں اور غلطیاں سرزد ہوئیں۔ کبھی کبھی جذبات کی رو میں ہم آپے سے باہر بھی ہو گئے اور بارہا ہم تنگ خیالی کے مرتکب ہوئے۔ ان سب کے باوجود ہم نے ہندوستان کو امن عطا کیا۔ وہ امن جس کی بنیاد تباہ کاری پر نہ تھی۔ ہم نے ہندوستان کو قانون دیا۔ وہ قانون جس میں جبر و تشدد کو دخل نہ تھا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہم نے ہندوستان کو آزادی کی دولت بخشی۔ کیونکہ ملٹن، لاک، مِل، برائٹ اور گلیڈ اسٹون کے اعلیٰ خیالات ہی کی بدولت سب سے پہلے ہندوستانیوں کے دماغ روشن ہوئے اور انہوں نے آزادی کے حقیقی مفہوم کو سمجھا۔"

نو آبادیاتی دور میں مختلف علاقوں کی فتوحات کے بعد استعماری کفار نے مقبوضہ علاقوں کے عوام کو ذہنی طور پر غلام بنانے کیلئے دقیق منصوبہ بندی کی۔ تاریخ کی تبدیلی انہی کوششوں میں سے ایک تھی۔ تاریخی حقائق کو خاص مقاصد کے تحت مسخ کرنے کی کوشش کی گئی۔ محکوم قوموں کو دبانے، انہیں احساسِ کمتری میں مبتلا کرنے اور اپنے جابرانہ تسلط کا جواز گھڑنے کیلئے تاریخ کی بھیانک منظر کشی کی گئی۔ تاکہ یہ قومیں اپنے ماضی کے حوالے سے ہمیشہ شرمندہ رہیں۔
اور ان شرمندہ قوموں کو یہ سمجھا دیا جاتا ہے کہ جو قومیں ماضی میں کچھ نہ کر سکیں وہ حال میں بھی کچھ نہیں کر سکتیں اور مستقبل میں بھی ان کا کوئی حصہ نہیں۔

ہندوستان کی تاریخ بھی ایسی ہی ایک مسخ کردہ تاریخ ہے۔ یہاں ہمیں ہر دور کے حوالے سے مختلف قسم کی آراء مل سکتی ہیں۔ مسلمان حکمرانوں کے ادوار تو خاص طور پر مورخین کا تختۂ مشق رہے۔ محمد بن قاسم سے لیکر، غزنوی اور غوری اور پھر مغل حکمرانوں تک، تمام ادوار کو متنازع بنایا گیا۔
اکبر اور اورنگزیب کے حوالے سے بھی ہمیں مختلف قسم کی آراء نظر آتی ہیں۔

تاریخ میں تخریب کا پہلو اورینٹلزم یعنی استشراق سے بہت گہرائی سے جڑا ہوا ہے، اگر ہم چند سطروں میں اورینٹلزم کو سمجھ لیں گے تو نو آبادیاتی دور میں تاریخ سے کئے گئے کھلواڑ کی وجوہات جاننے میں مدد ملے گی۔ اورینٹلسٹس یا مستشرقین کی اصطلاح بنیادی طور پر ان مغربی دانشوروں اور مصنفوں کے لئے استعمال کی جاتی ہے جو مشرق کو اپنی تحقیق کا موضوع بناتے ہیں۔ ابتدائی مستشرقین ایشیا اور افریقہ کے باسیوں کو ایک مختلف انداز سے دیکھتے تھے۔ یعنی وہ ان اقوام کو یورپی اقوام سے مختلف خیال کرتے تھے۔ یہ وہ دور تھا جب یورپ میں سائنسی ترقی شروع ہو چکی تھی اور وہ صنعتی ترقی کی طرف گامزن تھے۔
مستشرقین نے اپنے معاشروں کے سامنے ہندوستانیوں کی کم و بیش ایسی ہی تصویر پیش کی جیسی آج کل ہمارے سامنے کافرستان یا وادی کیلاش کی پیش کی جاتی ہے۔ مستشرقین کا خیال تھا کہ مشرق کے باسی ذہنی صلاحیتوں کے لحاظ سے مغرب سے کمتر ہیں۔ خصوصاً ہندوستان کے باسی تو اس قابل بھی نہیں کہ وہ امور مملکت چلا سکیں۔ اس لئے یہ بات ہندوستان کے باسیوں کیلئے باعث فخر و اطمینان ہونی چاہئے کہ اب عظیم برطانیہ ان کی امداد کو آن پہنچا ہے۔ اور اب جلد ہندوستان بھی اصلاح کے راستے پر گامزن ہو گا۔ یہ تھا وہ سارا ماحول جس میں برطانوی استعمار ہندوستان کی تاریخ کو بدلنے کے درپے تھا۔

ہندوستان پر اقتدار کے استحکام کیلئے سب سے پہلے تو یہ ضروری تھا کہ انگریز خود ہندوستان کے بارے میں آگاہی حاصل کرے۔ اس مقصد کے حصول کیلئے ۱۷۸۴ کو کلکتہ میں ایشیاٹک سوسائٹی کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس سوسائٹی کی میٹنگز میں ہندوستان کی تاریخ، زبانوں، مذاہب اور رسوم ورواج کو زیر بحث لایا جاتا۔ یہ میٹنگز استعماری مقاصد کے تحت تھیں اسی لیے کئی سال تک کسی بھی ہندوستانی کیلئے اس سوسائٹی کی رکنیت ممنوع رہی۔ حالانکہ سوسائٹی کے اجلاسوں میں اپنی معلومات پیش کرنے والے بہت سے گورے مقامی اسکالرز سے استفادہ حاصل کر رہے ہوتے تھے۔

یورپی مفکرین اور تاریخ دانوں نے ہندوستان کو محض ہندو اور سنسکرت تہذیب کے طور پر پیش کیا۔ اور ترک، افغان اور مغل حکمرانوں کے ادوار میں فارسی زبان میں تحریر کئے گئے ان تمام تاریخی ماخذوں کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ یہ ہندوستانی تہذیب سے مطابقت نہیں رکھتے۔ باوجود یکہ ان ماخذوں میں ہندوستانی سیاست اور معاشرت کو ہی بیان کیا گیا اور ان کے لکھنے والے بھی ہندوستان میں بسنے کے بعد اسی معاشرے کا حصہ بن گئے تھے۔ تاریخ میں محض ہندوازم اور سنسکرت کو ہی اجاگر کیا گیا جبکہ دوسری ثقافتوں اور مذاہب جیسا کہ بدھ ازم، جین ازم اور اسلام کو ہندوستانی تہذیب کو پروان چڑھانے کے حوالے سے بمشکل ہی تسلیم کیا گیا۔ بھارتی مورخ رومیلہ تھاپڑ کے بقول یورپ کی اسلام سے دشمنی کی تاریخی وجوہات سمجھ میں آتی ہیں، جن کا آغاز ہمیں صلیبی جنگوں سے ملتا ہے۔

ابتدا میں یورپ کے صنعتی انقلاب اور اس سے آنے والی تبدیلیوں سے خوفزدہ کچھ مستشرقین نے ہندوستان سے اپنی پسندیدگی کا اظہار بھی کیا۔ ان میں جرمن مصنفین ہرڈر، ول، ہیلم، آگسٹے شلیگل، نوالیس اور انگریز شاعر ورڈزورتھ اور کالرج شامل ہیں۔ مگر پسندیدگی کا یہ وقتی اظہار انیسویں صدی میں مغربی تہذیب کی بالادستی کے اظہار میں تبدیل ہو گی اور مشرقی تہذیبوں کے بارے میں یہ خیال نمایاں ہوا کہ کسی زمانے میں یہ تہذیبیں عظیم تو تھیں مگر اب زوال کا شکار ہیں۔ ان خیالات نے انیسویں صدی کے اواخر میں ہندوستان کی مڈل کلاس کی اپنے ماضی کے بارے میں سوچ کو بھی متاثر کیا۔ رومیلہ تھاپر لکھتی ہے:

There was an attempt to formulate Indian culture as uniform, such formulations being derived from texts that were given priority. The So-called ‘discovery’ of India was largely through selected literature of Sanskrit.

یورپی مفکرین کی ایک بڑی جماعت ہندوستانی ثقافت پر تنقید میں مصروف ہو گئی۔ ان میں سرفہرست جیمز مِل اور لارڈ میکالے کے نام شامل ہیں۔ جیمز مِل وہ پہلا مورخ تھا جس نے ہندوستانی تاریخ کو تین مذہبی ادوار یعنی ہندو، مسلم اور برطانوی میں تقسیم کیا۔ نہ صرف یہ بلکہ اس نے پرانے ہندو دور کو گولڈن، مسلم دور کو ڈارک اور برطانوی دور کو ماڈرن ادوار کے خطابات بھی دیئے۔ جیمز مل کی کتاب ہسٹری آف برٹش انڈیا بعد میں آنے والی تاریخ کی کتابوں کیلئے ایک اہم ماخذ کے طور پر استعمال ہوتی رہی۔ جیمز مِل نے ہندوستان کی تاریخ پر ایک ضخیم کتاب تحریر کی مگر وہ کبھی ہندوستان نہیں آیا تھا! تاہم کتاب لکھنے کے انعام میں جیمز مل کو بھاری تنخواہ پر ایسٹ انڈیا کمپنی میں ملازمت مل گئی۔ اور بعد میں جیمز مل کا بیٹا اور معروف فلاسفر جان اسٹیوارٹ مِل جو اپنی تصنیف " آن لبرٹی" سے مشہور ہوا بھی کمپنی کا ملازم ہوا۔ جان اسٹیورٹ مل نے ایسٹ انڈیا کمپنی میں قریب 35 برس تک ملازمت کی۔ جان اسٹیورٹ مل اپنے والد جیمز مل سے بھی چار ہاتھ آگے نکلا۔ جے ایس مل نے ہندوستان پر برطانوی قبضے کا خوب دفاع کیا۔ جونیئر مل کا کہنا تھا کہ مہذب اور وحشی معاشروں میں موجود بنیادی فرق کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ جان اسٹیورٹ کا خیال تھا کہ چین اور ہندوستان دونوں کسی زمانے میں ترقی پسند ممالک تھے جو اب جمود کا شکار ہو چکے ہیں۔ جہاں مل نے اپنی تصنیف آن لبرٹی میں فرد کی آزادی پر معاشرے کے اختیار کی حدود پر بات کی۔ وہیں مل نے یہ بھی واضح کیا کہ آزادی کا یہ تصور تمام افراد اور تمام معاشروں کیلئے نہیں ہے۔ جان اسٹیورٹ مل کہتا ہے وحشیوں سے نمٹنے کیلئے جابرانہ طرز حکومت ہی واحد حل ہے۔

ادھر لارڈ میکالے کا کردار بھی خاصہ اہم ہے۔ میکالے جس نے ہندوستان میں نام نہاد جدید نظام تعلیم متعارف کرایا۔ وہ بھی ہندوستانی معاشرے کے بارے میں جان اسٹیورٹ مل کا ہم خیال تھا۔ وہ سمجھتا تھا دنیا مہذب اور غیر مہذب اقوام میں تقسیم ہے جبکہ برطانوی معاشرہ تہذیب کی انتہائی اعلیٰ سطح پر موجود ہے۔

میکالے نے ہی یہاں انگریزی زبان کو ذریعہ تعلیم کے طور پر پیش کیا اور مغربی افکار کو تعلیمی نظام کا حصہ بنایا۔ حیرت انگیز طور پر جب انگریزی ادب کا مضمون ہندوستانی تعلیمی اداروں میں پڑھایا جارہا تھا تب یہ برطانیہ کی کسی یونیورسٹی کے نصاب میں موجود نہیں تھا۔

برطانوی دور میں ہندوستان کی نئی تاریخ مرتب کرتے ہوئے اس بات کا بھی خیال رکھا گیا کہ غیر مسلموں کے سامنے مسلمان حکمرانوں کا ظالم چہرہ پیش کیا جائے۔ اور اسی کوشش میں ایک معاملہ ہندوستان کے مقامی افراد کو زبردستی مسلمان کرنے کے الزام کا بھی ہے۔ اس بات کو تاریخ کی کتابوں میں اس طور سے دہرایا گیا کہ اسے ہی سچ سمجھا جانے لگا۔ محمود غزنوی پر ایک ہزار پندرہ میں کشمیر میں لوٹ مار اور مقامی لوگوں کو زبردستی مسلمان کرنے کے الزام لگائے گئے۔ اسی طرح بعد کے حملوں میں موجودہ یوپی کے شہروں ماتھورا اور کنوج اور

راجھستان کے ضلع باران میں بھی طاقت کے ذریعے مذہب کی تبدیلی کی بات کی گئی۔ محمد غوری کے بارے میں بھی یہ کہا گیا کے ان کے حملوں میں ہزاروں لوگوں کو غلام بنایا گیا اور آزادی کیلئے مسلمان ہونے کی شرط رکھی گئی۔ چودھویں صدی عیسوی میں کشمیر کے مسلمان سلطان سکندر بت شکن اور مغل حکمران اورنگزیب کے بارے میں بھی ایسی ہی باتیں دہرائی گئیں۔ مورخین ٹائٹس مرے، رامیش چندر راماجومدار، کے ایس لال اور شری رام بخشی نے ان واقعات کو بیان کیا ہے۔

رامیش چندر راماجومدار برطانوی دور میں کلکتہ یونیورسٹی میں تاریخ کا پروفیسر تھا۔ 1937 سے 42 تک یونیورسٹی آف ڈھاکہ کا وائس چانسلر بھی رہا۔ تقسیم ہند کے بعد اسے تحریک آزادی کی تاریخ مرتب کرنے کیلئے قائم کی گئی حکومتی کمیٹی میں شامل کیا گیا۔ تب سوال پیدا ہوا کہ تحریک آزادی کی تاریخ کہاں سے شروع کی جائے؟ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ اسے 1857 کی جنگ آزادی سے شروع ہونا چاہئے۔ جبکہ رامیش چندرا نے اس بات پر بھارتی وزیر تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد سے اختلاف کیا اور کمیٹی کی رکنیت سے استعفیٰ دے دیا۔ رامیش چندرا نے جنگ آزادی کو محض sepoy mutiny کا نام دیا۔ اس کا خیال تھا کہ تحریک آزادی صحیح معنوں میں اس وقت شروع ہوئی جب ہندوستان کی انگریزی تعلیم یافتہ مڈل کلاس سیاست میں آئی۔ وہ تحریک آزادی کی شروعات کو 1905 کی تقسیم بنگال کے خلاف تحریک بنگا بھانگا سے منسوب کرتا ہے۔

رامیش چندرا بھی انگریزی نظام تعلیم کی پیداوار تھا۔ اس کی مرتب کردہ تاریخ کی کتابوں میں جگہ جگہ مسلمانوں کے ہندوں پر مظالم اور زبردستی مذہب کی تبدیلی کا ذکر ملتا ہے۔ وہ اپنی کتابوں میں ہربرٹ ہوپ رزلے، بیورلے نکلس اور ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر کی تحقیق کا بھی ذکر کرتا ہے۔ رزلے اور ہنٹر دونوں ہی انڈین سول سروس کا حصہ تھے۔ اور انہوں نے اپنی کتابوں میں اسلام کے تلوار کے زور پر پھیلانے کے نظریے کا پرچار کیا ہے۔

نوآبادیاتی دور کے کسی بھی مورخ نے یہ وضاحت کرنے کی کوشش نہیں کی کہ طاقت کے ذریعے مذہب کی تبدیلی عملی طور پر کس طرح ممکن ہوئی۔ پھر اگر تلوار کے اس نظریے کو مان لیا جائے تو اس کے مطابق ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ جن علاقوں پر مسلمانوں کا اقتدار زیادہ مضبوط اور دیرپا تھا وہاں مسلمانوں کی آبادی بھی زیادہ ہوتی۔ لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ مشرقی بنگال اور مغربی پنجاب، جہاں اسلام سب سے زیادہ تیزی سے پھیلا۔ یہ وہ علاقے تھے جہاں مسلمان حکمرانوں کی تلوار سب سے زیادہ کمزور تھی۔ ان علاقوں میں مسلمانوں کی آبادی کل آبادی کا ستر سے نوے فیصد تھی۔ دوسری طرف وہ علاقے جہاں مسلم حکمرانوں کا اقتدار زیادہ مضبوط تھا مثلاً دلی اور آگرہ، یہاں مسلمان کل آبادی کا محض دس سے پندرہ فیصد تھے۔ ایک اور اہم معاملہ محمود غزنوی کے سومنات پر حملے کا ہے۔ تاریخ کی کتابوں میں اس واقعے کو بھی مختلف انداز سے پیش کیا گیا۔ ان حملوں سے متعلق اتنی زیادہ کہانیاں ہیں کہ سچ تک پہنچنا بہت ہی مشکل لگتا ہے۔ لیکن یہ بات طے ہے کہ وہ بھی درست نہیں جسے آج بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے۔ محمود غزنوی نے سومنات پر آخری حملہ ایک ہزار چھبیس میں کیا۔ ان حملوں سے متعلق پانچ مختلف قسم کے بیانئے موجود ہیں۔ اور پانچوں بیانیوں میں بھی جگہ جگہ تضادات ہیں۔ ترکی اور فارسی ماخذ، سنسکرت تحاریر اور جینا یعنی جین ازم کے ماخذ کے علاوہ برطانوی پارلیمنٹ کی بحث اور پھر بھارت میں ہندو قوم پرستی کا بیانیہ۔ کہیں کہا گیا کہ سومنات کے مندر میں نصب بت پتھر کا تھا، کہیں یہ کہ وہ لوہے کا تھا اور مقناطیس کی مدد سے ہوا میں معلق تھا۔ کسی نے لکھا کہ پتھر کے بت کے پیٹ کو جب پھاڑا گیا تو اس میں سے کئی من سونا برآمد ہوا۔ کسی نے یہ بھی لکھا کہ یہ وہ منات کا بت تھا جو فتح مکہ کے وقت خانہ کعبہ سے غائب کر دیا گیا تھا۔ لات اور عزیٰ نامی بتوں کو توڑ دیا گیا تھا۔ کسی نے یہ وضاحت نہیں کی کہ محمود غزنوی غزنی سے گجرات تک ہزاروں میل کا فاصلہ طے کر کے پہنچا۔ اس نے ہندوستان میں موجود دیگر ہزاروں مندروں کو کیوں نہ نقصان پہنچایا؟ اسی طرح اگر سومنات کے مندر پر حملہ اتنا ہی سنگین واقعہ تھا تو اس کے بعد وہاں مسلمانوں اور ہندوں کے درمیان فسادات کیوں نہ پھوٹے؟

لیکن محمود غزنوی کے ان حملوں کی کہانیوں سے اگر کسی کو کوئی فائدہ ہوا تو وہ انگریز تھا۔ 1843 میں گورنر جنرل ایلن برو نے اعلان کیا کہ سومنات کے مندر سے دروازے چرا کر غزنی میں نصب کئے گئے۔ ہندوستان کا یہ اثاثہ واپس لایا جائے گا۔ اس اعلان کے بعد برطانوی پارلیمنٹ میں ایک بحث ہوئی جس میں یہ ثابت کیا گیا کہ مندر کی تباہی ہندو مذہب کی توہین ہے۔ ان دروازوں کو واپس لا کر اس عزت کو بحال کیا جائے۔ اس بحث کا ایک مقصد افغانستان میں ہونے والی جنگ کیلئے ہندووں کی فوجی بھرتی تھا اور دوسرا ہندووں اور مسلمانوں کو آپس میں لڑانا۔ بہر حال جب ان دروازوں کو اکھاڑ کر ہندوستان لایا گیا تو ان پر لکھی قرآنی آیات سے معلوم ہوا کہ ان کا تعلق مصر سے ہے!

اسی طرح تاریخ ہندوستان کے ایک اور عظیم کردار اورنگزیب عالمگیر کی شخصیت کو بھی محض اس لئے متنازع بنایا گیا کہ وہ مذہبی طور پر ایک راسخ العقیدہ شخص تھا۔ مورخین نے اورنگزیب پر تنقید کیلئے فرانسیسی سیاح اور طبیب فرانسس برنیئر کی یاد داشتوں کو ماخذ کے طور پر لیا۔ برنیئر اورنگزیب کے بڑے بھائی داراشکوہ کا ذاتی معالج تھا، بعد میں اورنگزیب کے ساتھ بھی رہا۔ فرانسس برنیئر جہاں داراشکوہ کو اس کے لبرل خیالات کی وجہ سے پسند کرتا تھا وہیں اورنگزیب کو مذہبی ہونے کی وجہ سے ناپسند بھی کرتا تھا۔ اورنگزیب پر جہاں غیر مسلموں سے برے سلوک کے الزامات لگے وہیں یہ الزام بھی لگا کہ اس نے اقتدار کیلئے اپنے تینوں بھائیوں کو قتل کر دیا۔ حالانکہ تاریخی شواہد کو دیکھیں تو معاملہ اتنا سادہ نہیں جتنا دکھایا جاتا ہے۔ ہندوستان میں اقتدار کی منتقلی کا کوئی باقاعدہ طریقہ کار وضع نہیں تھا۔ جس وجہ سے حکمران کے انتقال کے بعد اس کے بیٹوں میں اقتدار کی رسہ کشی کے واقعات ملتے ہیں۔ بعض اوقات یہ کام دربار میں موجود بااثر امراء کی اکثریت کی حمایت حاصل کر کے پر امن طریقے
سے ہو جاتا اور بعض اوقات اس کے لیے لڑائیاں بھی ہوئیں۔ شاہجہان کے چاروں بیٹے داراشکوہ، اورنگزیب، شاہ شجاع اور شاہ مراد مختلف علاقوں کے عامل تھے۔ اورنگزیب نے یقینی طور پر اپنے بڑے بھائی داراشکوہ سے جنگ کی اور اسے قتل کیا۔ لیکن اس کی وجہ دارا کے ملحدانہ خیالات تھے۔ اورنگزیب اسلام سے شدید محبت کرتا تھا اور نہیں چاہتا تھا کہ ہندوستان کا اقتدار کسی ایسے شخص کے سپرد ہو جس کا اسلام سے دور دور کوئی واسطہ نہیں۔ داراشکوہ کی موت کے بعد اس کے بیٹے کو داماد بنانا، دارا کے درباریوں اور فوجیوں کو معاف کر دیا۔ اور دارا کا ساتھ دینے والی بہن جہاں آراء کے ساتھ حسن سلوک ظاہر کرتا ہے کہ جنگ کا محرک محض دارا کی مخالفت نہیں تھا۔ اقتدار میں آنے کے بعد اورنگزیب کے اسلام کے نفاذ پر خصوصی توجہ دینا اس بات کی توثیق کرتا ہے۔

استعماری تاریخ نے مسلمان حکمرانوں کو مطلق العنان بادشاہوں کے طور پر پیش کیا۔ اس تاریخ کو پڑھنے والے اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اکثر مورخ گورے کے اس فریب کا شکار ہوئے۔ مثال کے طور پر ڈاکٹر مبارک علی اپنی کتاب 'مغل دربار' میں

جہاں ایک طرف یہ لکھتا ہے کہ نظریاتی طور پر مغل بادشاہت کی بنیاد اس تصور پر تھی کہ بادشاہ شریعت سے بالاتر ہستی نہیں ہے۔ اس لئے ایسے خطابات اختیار کئے جاتے جن سے یہ ظاہر ہو تا کہ وہ اسلام کا محافظ، دفاع کرنے والا اور قوت پہنچانے والا ہے۔ مغل بادشاہ خود کو ہندوستان میں مسلمانوں اور ہندوں دونوں کا محافظ سمجھتے تھے۔ دوسری طرف وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ اس سب کے باوجود سلطنت کے انتظامی معاملات اور آئین جہان بانی و جہاں داری میں یہ بادشاہ لامحدود طاقت رکھتے تھے اور ان معاملات میں وہ شریعت کے قطعی پابند نہیں تھے۔ یہ مورخین سیکولر اور مغرب کے عطاکردہ جمہوری نظریات سے متاثر تھے چنانچہ انہوں نے استعمار کے پیدا کردہ تاثر کو اپنا لیا اس پر مستزاد یہ کہ یہ مورخین حکمرانی سے متعلق اسلام کے احکامات اور ان کی عملی شکل کی سمجھ نہیں رکھتے تھے پس انہوں نے رونما ہونے والے واقعات کی تشریحات سیکولر پیمانوں پر کیں۔
انگریزوں نے اس خطے کی تاریخ کے متعلق اپنی تشریح کو اس خطے کے لوگوں میں پھیلانے کے لیے سر توڑ کوشش کی۔ تحریف شدہ تاریخ انگریزی زبان میں لکھ لی گئی مگر اب اسے ہندوستانیوں کے دماغوں تک پہنچانا ضروری تھا۔ اس کے لئے مکمل لائحہ عمل تشکیل دیا گیا۔ سرکاری نوکری کیلئے انگریزی سیکھنا ضروری قرار پایا۔ نہ صرف یہ بلکہ انگریزی نظام تعلیم کو بھی ہندوستان کے طول و عرض تک پھیلانے کیلئے اسکولوں، یونیورسٹیوں اور کالجوں کا جال بچھایا گیا۔ سب سے پہلے 1857 میں یونیورسٹی آف کلکتہ، یونیورسٹی آف بمبئی اور یونیورسٹی آف مدراس کا قیام عمل میں لایا گیا۔ 1864 میں گورنمنٹ کالج لاہور کی بنیاد رکھی گئی۔ جس کا الحاق شروع میں کلکتہ یونیورسٹی سے کیا گیا۔ 1882 میں پنجاب یونیورسٹی قائم ہوئی۔ انگریز کے عزائم پر عملدرآمد کیلئے سرسید بھی پیش پیش تھے اور خصوصا مسلمانوں میں انگریزی زبان اور نظام تعلیم کی ترویج کیلئے علی گڑھ میں 1875 میں محمڈن اینگلو اورینٹل کالج بنایا گیا۔ جو 1920 میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں بدل گیا۔ اس کے بعد ڈھاکہ، دلی، میسور، پٹنہ، الہ آباد، لکھنو، ناگپور، آندھرا اور کیرالہ یونیورسٹیوں کا قیام بھی عمل میں آیا۔

ان یونیورسٹیز کے علاوہ بہت سے کالجز اور اسکولز بھی بنائے گئے۔ اور ان سب کا مقصد ایک ایسی ایلیٹ کلاس کی تشکیل تھی جو مغربی افکار اور ثقافت سے ہم آہنگ ہو۔ اور برطانوی استعماری نظام کے استحکام کیلئے انگریز حکمرانوں اور ہندوستانی عوام کے درمیان سہولت کار کا فریضہ سرانجام دے۔ ان یونیورسٹیوں سے فارغ التحصیل طلباء میں سے چنیدہ افراد کو مزید اعلیٰ تعلیم کیلئے لندن بھی بھیجا جاتا۔ حیرت انگیز طور پر نام نہاد تحریک آزادی کے تینوں سرکردہ رہنما گاندھی، نہرو اور جناح بھی انہیں چنیدہ افراد میں

شامل تھے۔ان تعلیمی اداروں میں زیر تعلیم طلباء کو مقامی تہذیب وثقافت سے دور کرنے اور مغربی تہذیب کے زیر اثر لانے کا پورا پورا اہتمام کیا گیا تھا۔

یہ ذہن سازی کس طرح ہو رہی تھی۔اس کیلئے چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔1896 میں ایم اے انگلش کے پرچہ میں اردو کا ایک پیرا گراف انگریزی میں ترجمہ کیلئے دیا گیا۔یہ پیرا گراف کیا تھا ملاحظہ ہو۔

"ہندوستان کی عورتوں میں جہالت بھری ہوئی ہے۔اونکے جتنے خیالات ہیں سب بھدے،انکی جتنی باتیں ہیں سب بونگی۔انکے جتنے طریقے ہیں سب بے ڈھنگے۔کن کن باتوں کو روئے۔ملک ان ہی کی وجہ سے تباہ ہو رہا ہے۔قوم ان ہی کی طفیل برباد ہوئی چلی جاتی ہے۔ایک مثال لو،ایک نوجوان جو بی اے پاس کر چکا تھا اپنی ماں سے کہنے لگا کہ مجھے لندن جانے دو۔تین برس بات میں نکل جائیں گے میں بیرسٹری پاس کر کر چلا آونگا۔یہ سن کر جاہل ماں اسقدر پیٹی کہ ہمسایہ کی عورتیں آ گئیں۔ہر چند عورتیں سمجھاتی رہیں مگر اماں جان کی تو ہچکی بندھ گئی۔"

یہ پرچہ ابھی بھی پنجاب یونیورسٹی کی سنٹرل لائبریری میں محفوظ ہے۔اور دیکھا جا سکتا ہے۔اسی طرح 1899 میں ایم اے انگلش کے پرچے میں دیا گیا اردو کا پیرا گراف دیکھئے:

"تاریخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ سکندر و قیصر روما و نپولین جیسے جیسے مرد ہو گزرے ہیں جنہوں نے جو کچھ اونکے سدراہ ہوا اوسکو پامال کیا۔اور اپنی کمال اولعزمی سے ممالک وسیع کو اطاعت پر مجبور کیا۔لیکن پہلے کبھی کسی قانون کے پابند بادشاہ کے تخت میں ایسی وسیع سلطنت نے نشوونما نہیں پایا، ستمبر گزشتہ میں مجھے اس امر پر ذکر کرنیکا اتفاق ہوا تھا کہ گردش زمانہ نے حضرت ملکہ معظمہ کی کونسلوں میں سے حضرت موصوفہ کے وزیروں کو کسطرح ایک ایک کر کے اوٹھا لیا مگر میں اس امر پر طویل تقریر نہیں کرونگا نہ اوس غم کا زیادہ ذکر کرونگا جس سے اونکی علیحدگی نے حضرت ملکہ معظمہ کے دل کو آزردہ کیا۔لیکن میں پھر کہتا ہوں کہ جس حالت حکمرانی کو شاید ایک ممالک فتح کرنے والا بادشاہ کمزوری خیال کرتا، اوسے حضرت ملکہ معظمہ نے ادائیگی فرض کو ہر وقت مدنظر رکھنے سے اور اپنی عورتوں والی فراست اور عظمت سے ایسا باعزت، مستحکم اور واقعی پرزور بنا دیا ہے کہ ان باتوں میں کوئی بھی تخت برطانیہ کے ساتھ دعویٰ ہمسری نہیں کر سکتا۔" ملکہ معظمہ کیلئے عورتوں والی فراست اور عظمت جیسے الفاظ۔اور ہندوستانی خواتین کیلئے جاہل کے خطابات۔غرض دور غلامی کی یادگار پنجاب یونیورسٹی میں یہ تعلیم دی جا رہی تھی۔اسی برس یعنی 1899 کا ایک اور پرچہ بھی دیکھنے کے لائق ہے۔یہ ایک نواب اور مس صاحبہ کے درمیان مکالمہ ہے۔

"نواب: میں آپ سے کیا کہوں آپ تو جانتی ہی ہیں کہ ہم لوگوں کے یہاں عورتوں کی تعلیم کی کیا حالت ہے اول کوئی عورت پڑھی لکھی ملتی ہیں نہیں جو پوری طرح سے تعلیم دے۔دوسرے یہاں کی مائیں ایسی اجہل اور لاپرواہ ہوتی ہیں کہ اس طرف کچھ خیال ہی نہیں کرتی ہیں۔میں اکیلا کیا کر سکتا ہوں؟ کدھر دیکھوں کدھر نہ دیکھوں مجھکو امور دنیاوی سے اتنی فرصت کہاں ہوگی کہ خود اپنی لڑکی کو تعلیم دوں۔

مس صاحبہ: لیکن اگر کوئی عورت ایسی لائق نہیں ملتی تھی تو آپ کے یہاں مولوی تو ہیں انہیں سے تعلیم دلوائی ہوتی۔

نواب: یہ بھی نہیں ہو سکتا دو وجہوں سے۔ایک تو یہ کہ جب لڑکی سیانی ہوئی تو مولوی کے سامنے نہیں جا سکتی۔دوسری ہمارے یہاں کے مولوی بھی عقل کے پتلے ہوتے ہیں۔طریقہ پڑھانے کا اچھا نہیں جانتے ہیں"

لیں جناب۔۔یہاں تو ایک ہی جست میں مسلمان عورتوں کے ساتھ ساتھ، پردہ اور مولوی کو بھی نشانہ بنا دیا گیا۔عورتیں جاہل ہیں، تعلیم حاصل کرنے میں پردہ رکاوٹ ہے اور مولوی بھی عقل کے پتلے ہیں۔ان پرچوں کو حل کرنے کے بعد ایم اے انگلش کرنے والے نوجوان کی ہندوستان کے باسیوں کے بارے میں وہی سوچ پروان نہیں چڑھے گی جو آج حسن نثار اور مبارک علی کی ہے تو اور کیسی سوچ پیدا ہو گی۔

اسی برس کا یونیورسٹی میں داخلے کے امتحان کا انگریزی کا پرچہ بھی دیکھ لیں:"ایک پادری صاحب چاندنی چوک میں سر بازار وعظ کہا کرتے تھے۔مکتب سے آتے ہوئے لوگوں کی بھیڑ دیکھ کر میں بھی کھڑا ہو جاتا تھا۔پادری صاحب کے ساتھ کتابوں کا ایک بڑا بھاری ذخیرہ بھی رہتا تھا۔اور اکثر لوگوں کو اس میں سے کتابیں دیا کرتے تھے۔ہمارے مکتب کے کئی لڑکے بھی کتابیں لائے تھے۔انہوں نے کتاب کی جلد تو اکھاڑ لی اور ورقوں کو پھاڑ کر پھینک دیا۔کتابوں کی عمدہ عمدہ جلدیں دیکھ کر مجھکو بھی لالچ آیا اور میں نے کہا چلو ہم بھی پادری صاحب سے کتابیں مانگیں۔مکتب سے اٹھا اور میں سیدھا پادری صاحب کے پاس چلا گیا۔بہت سے لوگ انکو گھیرے ہوئے تھے۔

انمیں ہمارے مکتب کے دو چار لڑکے بھی تھے۔لوگ انکے ساتھ کچھ مذہبی بحث کر رہے تھے۔اس کو میں

نے خوب نہیں سمجھا۔ مگر ایک بات تھی کہ اکیلے پادری صاحب ایک طرف تھے اور ہندو مسلمان سیکڑوں آدمی ایک طرف۔ لوگ انکو بہت سخت سخت باتیں بھی کہتے تھے۔ کوئی دوسرا ہوتا تو ضرور لڑ پڑتا۔ مگر پادری صاحب کی پیشانی پر شکن بھی تو نہیں آتی تھی۔ سخت بات سنکر الٹے مسکرا دیتے تھے۔"

اب اس پیراگراف سے یہ سبق ملا کہ مکتب کے طلباء اجڈ اور گنوار ہیں۔ کتابوں کی قدر نہیں جانتے۔ کتابیں لیں بھی تو محض جلدوں کے لالچ میں۔ پادری صاحب تو بہت خوب آدمی ہیں۔ یہ اس صبر و تحمل اور برداشت کا مظاہرہ کر رہے ہیں جو صرف مغربی تہذیب کی دین ہے۔ اور ہندوستان کے مقامی لوگ مہذب بحث کے بجائے سخت سخت باتیں سنا رہے تھے۔ سن 1900 میں ایم اے انگلش کے پرچے میں جو پیراگراف ترجمہ کیلئے دیا گیا، وہ جنگ آزادی کے تناظر میں تھا: "غدر کے چوتھے دن کا ذکر ہے۔ کہ ابن الوقت کوئی دو گھڑی دن رہے قلعے کی طرف چلا آ رہا تھا۔ ایک آپ تھا اور دو نوکر۔ تینوں مسلح۔ ان دِنوں جب دو آدمی آپس میں بات کرتے تھے تو بس غدر ہی کا مذکور ہوتا تھا۔ یہ لوگ بھی یہی تذکرہ کرتے چلے جاتے تھے۔

جوں ہی محسن خان کے کٹہرے سے آگے اس کھلے میدان میں پہنچے جو میگزین اور کالج کے درمیان واقع تھا۔ دیکھتے کیا ہیں کہ سڑک کے بائیں طرف انگریزوں کی کچھ لاشیں پڑی ہیں۔ یہ دیکھ کر ابن الوقت کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ ابن الوقت لاشوں کے مقابل ذرا سا ٹھٹھکا۔ اور نہایت غصے اور افسوس کے ساتھ اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا۔ دیکھو تو ظالموں نے کیا بیجا حرکت کی ہے۔ معلوم ہوتا ہے شہر پر بڑا سخت عذاب آنے والا ہے۔ خون ناحق کبھی خالی جاتے نہیں سنا۔"

جی تو یہاں جنگ آزادی میں انگریز کا خون بھی ناحق ٹھہرا۔ آپ اب کس سے آزادی چاہیں گے؟ یہاں تو آپ کے تصور آزادی پر ہی سوالیہ نشان لگ گیا۔ حضرت ملکہ معظمہ کی حکمرانی تو پہلے ہی ہندوستانیوں کے لئے باعث رحمت قرار دے دی گئی تھی۔

یونیورسٹی کی لائبریری کے چند سالوں کے پرچوں کی ایک جھلک تو سامنے آ گئی۔ اردو کے علاوہ انگریزی، عربی، فارسی اور سنسکرت زبانوں میں بے شمار ایسی باتیں نصاب کا حصہ بنا دی گئیں کہ جنہیں پڑھنے کے بعد بالآخر ایک ایسی نئی نسل نے جنم لیا جو انگریزوں سے مرعوب تھی، اپنی تہذیب کو کمتر سمجھتی تھی۔ اور اس تعلیم نے اس نسل کو اگلی کئی دہائیوں کیلئے مغرب کا ذہنی غلام بنا دیا۔

اگرچہ مسلمانوں کے دورِ حکومت میں ہندوستان ایک پر امن اور خوشحال ملک تھا۔ 1600 عیسوی میں مغل ہندوستان کا جی ڈی پی دنیا کی کل جی ڈی پی کا بائیس فیصد تھا اور 1700 تک بڑھ کر 24 فیصد ہو گیا جو اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ تھا۔ اگرچہ مغل دورِ حکومت میں آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ زراعت تھی مگر صنعت میں بھی ہندوستان نمایاں تھا۔ اٹھارویں صدی تک دنیا کی پچیس فیصد صنعتی پیداوار ہندوستان میں ہو رہی تھی۔ سڑکوں کی تعمیر اور عمارت سازی میں بھی ہندوستان کسی سے کم نہیں تھا۔ مغل دور میں آرٹیکچر کے ایسے ایسے عجائب بنائے گئے جو کئی صدیاں گزرنے کے بعد آج بھی دنیا کو حیرت زدہ کر رہے ہیں۔ علوم و فنون، سائنس اور ادب کی دنیا میں بھی مغل ہندوستان اپنی بلندیوں پر رہا۔

مغل حکمرانوں کے علم نواز ہونے کی وجہ سے مشرق وسطیٰ، ایران، ترکی اور عرب سے علماء اور دانشور ہندوستان کھنچے چلے آتے تھے۔ اس سب کے باوجود مغلوں کا ہندوستان آج تاریک دور کیوں سمجھا جاتا ہے؟ اس کی وجہ یقیناً وہ تاثر ہے جو دورِ غلامی کے دوران انگریز حکمرانوں نے ہندوستانیوں کے ذہنوں میں انڈیلا۔ آج اس غلط تاثر کو ختم کرنا ایک چیلنج ہے۔ مگر وہ وقت دور نہیں کہ جب نبوت کے نقشِ قدم پر قائم ہونے والی خلافت کے تحت مسلمانوں کی کامیابیاں اور فتوحات قلیل عرصے میں اس خطے کے مسلمانوں کے ذہن سے مغرب کی ذہنی غلامی کے تمام تر اثرات کو مٹا دیں گی۔

ان شاء اللہ

**ختم شد**

# پاکستان کے معاشی غنڈوں (اِکنامک ہٹ مین) کی غداری جاری ہے

تحریر خالد صلاح الدین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پاکستان کے معاشی غنڈے، ڈاکٹر رضا باقر اور ڈاکٹر حفیظ شیخ نے کفار کی اطاعت میں آئی ایم ایف کے ذریعے پاکستان کی معیشت کو تباہ کرنے کے سلسلے کو جاری رکھا ہوا ہے۔ 4 دسمبر 2019 کو ایک پریس کانفرنس کی گئی جس میں اپنی معاشی پالیسیوں کی نام نہاد کامیابی کے شادیانے بجائے گئے۔ پریس کانفرنس کے دوران کرنٹ اکاونٹ خسارے میں کمی، فارن ڈائرکٹ انوسٹمنٹ (FDI) اور بین الاقوامی اداروں جیسا کہ آئی ایم ایف، عالمی بینک اور موڈیز کی جانب سے دیے گئے مثبت بیانات کے متعلق بحث ہوتی رہی۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے کہ آئی ایم ایف کا پروگرام کس طرح آگے بڑھ رہا ہے، یہ جاننا ضروری ہے کہ اس پروگرام کے پیچھے اصل مقاصد کیا ہیں اور ڈاکٹر حفیظ شیخ اور ڈاکٹر رضا باقر کا کیا کردار ہے۔

آئی ایم ایف اور بین الاقوامی قرضے فراہم کرنے والے ادارے حقیقت میں منافع کمانے کے ادارے ہیں جو قرض لینے والے ملک کو یہ دیکھتے ہوئے ڈالر میں قرض دیتے ہیں کہ وہ اصل قرض کی واپسی اور اس پر منافع دینے کی کتنی صلاحیت رکھتا ہے۔ آئی ایم ایف اور دوسرے قرض دینے والے اداروں میں یہ فرق ہے کہ آئی ایم ایف امریکا کی صورت میں سیاسی مقاصد بھی رکھتا ہے اور اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ قرض لینے والا ملک اس کے مطالبات کو پورا کر سکے۔ یوں آئی ایم ایف کے حمایت یافتہ وزیر خزانہ اور گورنر اسٹیٹ بینک آف پاکستان کی ضرورت پیدا ہوتی ہے جو آئی ایم ایف کی شرائط پر مکمل عمل کریں۔

آئی ایم ایف اور بین الاقوامی قرضے فراہم کرنے والے ادارے حقیقت میں منافع کمانے کے ادارے ہیں جو قرض لینے والے ملک کو یہ دیکھتے ہوئے ڈالر میں قرض دیتے ہیں کہ وہ اصل قرض کی واپسی اور اس پر منافع دینے کی کتنی صلاحیت رکھتا ہے۔ قرض کی پیشگی شرط کے طور پر آئی ایم ایف نے اصرار کیا تھا کہ حکومت ایسی پالیسیاں نافذ کرے جس سے آئی ایم ایف کے پروگرام پر عمل درآمد کے حوالے سے اس کا اخلاص ثابت ہو۔ پیشگی شرائط میں کرنسی کے شرح تبادلہ کو اسٹیٹ بینک کے ذریعے قابو میں رکھنے کے عمل کو ختم کر کے اسے مارکیٹ پر چھوڑ دینا یعنی آزاد شرح تبادلہ، شرح سود میں اضافہ اور تیل، بجلی و گیس کی قیمتوں میں اضافہ شامل تھے۔

قرض کی پیشگی شرط کے طور پر آئی ایم ایف نے اصرار کیا تھا کہ حکومت ایسی پالیسیاں نافذ کرے جس سے آئی ایم ایف کے پروگرام پر عمل درآمد کے حوالے سے اس کا اخلاص ثابت ہو۔ پیشگی شرائط میں کرنسی کے شرح تبادلہ کو اسٹیٹ بینک کے ذریعے قابو میں رکھنے کے عمل کو ختم کر کے اسے مارکیٹ پر چھوڑ دینا یعنی آزاد شرح تبادلہ، شرح سود میں اضافہ اور تیل، بجلی و گیس کی قیمتوں میں اضافہ شامل تھے۔

کرنسی کی آزاد شرح تبادلہ اور شرح سود میں اضافے کا معیشت کی بہتری کے حوالے سے کوئی بنیادی کردار نہیں ہے۔ ان کا کردار مقامی اور بین الاقوامی بینکوں کے لیے ترغیب فراہم کرنا ہے کہ وہ پیسے بنائیں جیسا کہ ثاقب شیرانی[1] کے مضمون میں اس کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ مختصراً یہ کہ یہ کام اس طریقے سے ہوتا ہے؛ شرح سود میں بین الاقوامی سطح سے بھی زیادہ اضافہ کیا جاتا ہے جس کے بعد بینک کم شرح سود پر مغربی بینکوں سے قرض اٹھاتے ہیں اور اس پیسے سے زیادہ شرح سود کے حامل مختصر مدتی پاکستانی ٹی-بلز خریدتے ہیں اور زبردست منافع کماتے ہیں۔

اس طرح براہ راست بیرونی سرمایہ کاری کے نام پر ایک ارب ڈالر سے زیادہ کی رقم پاکستان میں آئی ہے۔ تین مہینے کے قرض پر لندن انٹر بینک آفریٹ (لائی بور) 1.9 فیصد ہے جبکہ تین مہینے پر محیط حکومتِ پاکستان کے ٹریژری بل پر شرح سود

13.6 فیصد ہے اور اس طرح منافع میں 11.7 فیصد کا فرق ہے۔ اس کے علاوہ اس منافع میں اس وجہ سے مزید اضافہ ہو جاتا ہے کہ پچھلی جولائی سے اب تک روپیہ 5 فیصد اپنی قدر کھو چکا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک سرمایہ کار یورپین بینک سے ایک ملین ڈالر کا قرض لیتا ہے اور 3 سے 6 ماہ پر مشتمل ٹریژری بل خریدتا ہے تو وہ ایک ڈالر کے بدلے 160 روپے کی شرح تبادلہ کی بنیاد پر 160 ملین روپے کی سرمایہ کاری کرتا ہے۔ 11.7 فیصد کے منافع کے ساتھ یہ رقم 178.7 ملین روپے بن جائے گی۔ اس وقت ڈالر 154 روپے کا ہو چکا ہے جسے معاشی استحکام کے طور پر پیش کر کے بہت ڈھول پیٹا جا رہا ہے۔ اس طرح سے 178.7 ملین روپے 1.160 ملین ڈالر میں تبدیل ہو جائیں گے جس کا مطلب ہے کہ اس سرمایہ کار کو ایک لاکھ ساٹھ ہزار ڈالر کا منافع حاصل ہوا۔ پھر جیسے ہی شرح سود کی شرح کم ہو گی یہ باہر سے آنے والے پیسے باہر چلے جائیں گے، اور ان پیسوں کی اس خاصیت کی وجہ سے انہیں "ہاٹ منی" Hot Money کہا جاتا ہے، لہٰذا حکومت شرح سود کو کم نہیں کرنا چاہتی کیونکہ باہر سے آنے والے ڈالر واپس جانا شروع ہو جائیں گے۔ رینیسنس کیپیٹل Renaissance Capital کے چیف اکنامسٹ، چارلس رابرٹسن نے کہا کہ پاکستان کے بانڈز خریدنے کی وجہ بالکل سادہ ہے، "ایک کم قیمت کی کرنسی پر کہاں آپ کو ڈبل ڈیجٹ میں منافع مل سکتا ہے؟"[(2)]۔

یہ کم مدتی قرضے ہیں، لہٰذا حکومت کو صرف ایک ملین ڈالر ہی نہیں روکنے بلکہ اسے مزید ایک لاکھ ساٹھ ہزار ڈالر کا بھی بندوبست کرنا ہے جو اس نے شرح سود کی صورت میں سرمایہ کار کو دینے ہیں۔ کیونکہ حکومت ڈالر نہیں چھاپتی تو پھر یہ زائد ڈالر کہاں سے لائے گی؟ اس کا واضح جواب یہ ہے کہ یہ اضافی ڈالر برآمدات سے کمائے گئے ڈالرز سے نکالے جائیں گے جس کا مطلب ہے کہ ہم مسلمان اس قسم کی بیرونی سرمایہ کاری کو راغب کرنے کی قیمت ادا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کے مفاد کو قربان کر کے دیا جانے والا منافع سیدھا قومی اور بین الاقوامی بینکوں میں چلا جائے گا۔ اس قسم کی براہ راست بیرونی سرمایہ کاری جسے FDI کہا جاتا ہے بینکوں کے درمیان چلتی رہتی ہے اور اس سے مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ لہٰذا وزیر خزانہ اور اسٹیٹ بینک کے گورنر مغربی اشرافیہ کی دولت کی چوکیداری کر رہے ہیں۔

4 دسمبر 2019 کی پریس کانفرنس کے دوران ڈاکٹر حفیظ شیخ، ڈاکٹر رضا باقر، حماد اظہر اور شبر زیدی نے معیشت میں استحکام کی جانب شروع ہونے والے سفر کے حوالے سے کچھ اقدامات کا ذکر کیا:

1۔ "۔۔۔کرنٹ اکاونٹ خسارے میں 35 فیصد کمی آئی ہے اور پچھلے پانچ مہینوں میں اس میں مزید بہتری دیکھی گئی ہے"۔ **لیکن کرنٹ اکاونٹ خسارے میں کمی روپے کی قدر میں کمی کر کے کی گئی۔ یہ کام آئی ایم ایف کے پروگرام کے تحت شرط کو پورا کرنے کے لیے کیا گیا اور اس کے نتیجے میں ایک بحران پیدا ہوا، تو کیا اس تبدیلی کو حاصل کرنے کے لیے ایسا کرنا ضروری تھا؟ اس کے علاوہ جولائی 2019 میں تیل کی قیمت 72 ڈالر فی بیرل تھی اور اس کے بعد اگلے پانچ مہینوں میں اس کی قیمت 62 ڈالر فی بیرل کے لگ بھگ رہی۔ تو خسارے میں کمی واقع ہونے کا اس پالیسی کے نفاذ سے کوئی تعلق نہیں تھا۔**

2۔ "۔۔۔پورٹ فولیو سرمایہ کاری اور براہ راست بیرونی سرمایہ (ایف ڈی آئی) میں بھی اوپر کی جانب بہتری دیکھی گئی"۔ **یقیناً ایسا ہی ہے، لیکن براہ راست سرمایہ کاری ایک بڑا حصہ مختصر مدتی قرضوں کے شکل میں تھا جسے اوپر "ہاٹ منی" کہا گیا۔ لیکن اس سے کسی مقامی صنعت میں سرمایہ کاری کی گئی کہ جس سے پاکستان کی معیشت کو فائدہ پہنچا ہو؟ اس سے بھی زیادہ بنیادی بات یہ ہے کہ، ٹیکسٹائل کی صنعت کو چھوڑ کر، کیا ہمارے پاس ایسی صنعتیں ہیں کہ جس میں سرمایہ کاری کر کے برآمدات کو بڑھایا جاسکے؟**

3۔ "۔۔۔عالمی بینک کے صدر نے اپنے پاکستان کے دورے کے دوران معاشی کارکردگی کی تعریف کی"۔ **یقیناً وہ تو تعریف کریں گے کیونکہ ان کے شراکت دار قرض دینے والوں کو تقریباً 16 فیصد کی شرح سے اپنی سرمایہ کاری پر منافع جو مل رہا ہے۔ لیکن اس سے بھی زیادہ بنیادی بات یہ ہے کہ کیا عالمی بینک کی تعریف پر فخر محسوس کرنا چاہیے یا شرم محسوس کرنی چاہیے؟ کیا عالمی بینک کی نگرانی میں 1994 کی توانائی کی پالیسی تیار نہیں کی گئی تھی جس کی وجہ سے توانائی کی قیمت میں ہوشربا اضافہ ہوا اور جس کا بوجھ مسلمانوں نے اٹھایا؟ کیا عالمی بینک کی نگرانی میں تیار کردہ 1994 کی توانائی کی پالیسی کی وجہ سے توانائی کے شعبے میں گردشی قرض کا انتہائی سنگین مسئلہ پیدا نہیں ہوا؟**

4۔ "۔۔۔پریس کانفرنس میں کہا گیا کہ دنیا کی مشہور ریٹنگ ایجنسی موڈیز نے پاکستان کی کریڈٹ ریٹنگ کو منفی سے مستحکم قرار دے دیا ہے"۔ **برطانوی اخبار دی گارڈین[3] نے یہ خبر دی تھی کہ موڈیز نے تقریباً 864 ملین ڈالر امریکا کی وفاقی اور ریاستی حکام کو ادا کیے ہیں کیونکہ اس نے خطرناک مورگیج سیکیوریٹیز کو 2008 کے مالیاتی بحران سے کچھ پہلے اچھی ریٹنگز دیں تھیں۔ لہٰذا موڈیز مجرم ہے کہ اس نے امریکی شہریوں کے ساتھ 2008 کے مالیاتی بحران کے دوران دھوکہ کیا۔ اگر امریکی حکومت ان ریٹنگ ایجنسیوں پر بھروسہ نہیں کرسکتی تو ہمارے معاشی بدمعاش (حفیظ شیخ اور رضا باقر) کیسے ان پر اعتماد اور بھروسہ کرسکتے ہیں؟**

سلگتا ہوا سوال یہ ہے کہ یہ اقدامات کیسے ہماری معیشت کو فائدہ پہنچارہے ہیں اور کس طرح ہم زائد ڈالر واپس کریں گے؟ 1990 کی دہائی کے آخری سالوں سے بڑی پیداواری صنعتوں (لارج اسکیل منیو فیکچرنگ) میں زوال کا سلسلہ جاری ہے لہٰذا برآمدات میں اضافے کا کوئی امکان نہیں ہے اور عالمی سطح پر ٹیکسٹائل کی صنعت میں مزید اضافے کی گنجائش نہیں ہے۔ آئی ایم ایف نے ہماری حکومت کے ساتھ مل کر اس حوالے سے پہلے ہی منصوبے بنا لیے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بتایا گیا کہ آئی ایم ایف نے کچھ پیشگی شرائط پر اصرار کیا تھا۔ آئی ایم ایف کا قرض حاصل کرنے سے پہلے ہی گیس اور بجلی کی قیمت میں اضافہ کر دیا گیا تھا تاکہ آئی ایم ایف کی پالیسیوں کے نفاذ کے حوالے سے حکومت کی سنجیدگی اور صلاحیت کا امتحان لیا جاسکے۔ اس سال بجلی کی قیمت میں 15 بار اضافہ کیا گیا جس کی وجہ سے اس کی قیمت میں 18 فیصد اضافہ ہوا، اور گیس کی قیمت میں 55 فیصد کا بھاری بھرکم اضافہ کیا گیا۔ آئی ایم ایف کی جانب سے یہ شرائط اس لیے پیش کی گئی تھیں کیونکہ آئی ایم ایف گردشی قرض کے مسئلے کو حل کرنا چاہتا ہے جس نے توانائی کی کمپنیوں کو شدید بیمار کر دیا ہے اور گردشی قرض کو ختم کرنا ان اداروں کی نجکاری سے پہلے ایک لازمی شرط ہے۔ نجکاری کے عمل میں بین الاقوامی بولی لگانے والے شامل ہوں گے جنہیں اس بنا پر خوش آمدید کہا جائے گا کہ وہ براہ راست بیرونی سرمایہ کاری لا رہے ہیں، اور پھر اس عمل سے حاصل ہونے والی رقم کو آئی ایم ایف کو سود کی ادائیگی کے لیے استعمال کیا جائے گا۔

اس طرح ہمارے معاشی بدمعاشوں کی جانب سے بچھائی جانے والے سازشی جال کی صورت واضح ہے۔ یہ پوری توانائی سے مغربی اقوام کو امیر کرنے کے لیے کام کرتے ہیں، ہمیں سودی معاہدوں میں جکڑتے ہیں جس سے قوم غلام بن جاتی ہے۔ اس کے بعد یہ مزید جانفشانی سے ہمارے توانائی کے وسائل کی نجکاری کے لیے کام کرتے ہیں تاکہ ہماری بنیادی ضروریات جیسا کہ گیس اور بجلی مغربی اقوام کے کنٹرول میں چلی جائیں۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ پاکستان کے معاشی بدمعاش (ہِٹ مین) یہ کام دولت کے لیے نہیں کرتے بلکہ وہ حقیقت میں یہ سمجھتے ہیں کہ مغرب کے معاشی تصورات درست ہیں۔

اس طرح ہمارے معاشی بدمعاشوں کی جانب سے بچھائی جانے والے سازشی جال کی صورت واضح ہے۔ یہ پوری توانائی سے مغربی اقوام کو امیر کرنے کے لیے کام کرتے ہیں، ہمیں سودی معاہدوں میں جکڑتے ہیں جس سے قوم غلام بن جاتی ہے۔ اس کے بعد یہ مزید جانفشانی سے ہمارے توانائی کے وسائل کی نجکاری کے لیے کام کرتے ہیں تاکہ ہماری بنیادی ضروریات جیسا کہ گیس اور بجلی مغربی اقوام کے کنٹرول میں چلی جائیں۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ پاکستان کے معاشی بدمعاش (ہِٹ مین) یہ کام دولت کے لیے نہیں کرتے بلکہ وہ حقیقت میں یہ سمجھتے ہیں کہ مغرب کے معاشی تصورات درست ہیں۔

اس نظام کا المیہ یہ ہے کہ یہ ڈاکٹر حفیظ اور ڈاکٹر باقر جیسوں کو اس سازش پر عمل کرنے کے لیے مکمل سہولیات فراہم کرتا ہے۔ اگر ملک میں اسلام کا نظام نافذ ہوتا تو یہ سازش سوچی بھی نہیں جاسکتی چہ جائیکہ اس پر عمل درآمد شروع ہو کر مکمل بھی ہو جائے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لاَ تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِنْ دُونِكُمْ لاَ يَأْلُونَكُمْ خَبَالاً وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتْ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمْ الآيَاتِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ** "مومنو! کسی غیر (مذہب کے

آدمی) کو اپنا رازداں نہ بنانا یہ لوگ تمہاری خرابی (اور فتنہ انگیزی کرنے) میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں کرتے اور چاہتے ہیں کہ (جس طرح ہو) تمہیں تکلیف پہنچے، ان کی زبانوں سے تو دشمنی ظاہر ہو ہی چکی ہے اور جو (کینے) ان کے سینوں میں مخفی ہیں وہ کہیں زیادہ ہیں۔ اگر تم عقل رکھتے ہو تو ہم نے تم کو اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کر دی ہیں"(آل عمران 3:118)۔

اس آیت میں دیے گئے حکم سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ کفر ہمیں تباہ کرنے کے لیے زبردست کوشش کرے گا۔ تو پھر کس طرح ایک مسلمان عالمی بینک اور کسی معاملے پر، مثلاً توانائی پر پالیسی کے حوالے سے، ان کے مشوروں پر بھروسہ کر سکتا ہے۔ اس طرح 1994 کی توانائی کی پالیسی عالمی بینک کے لیے پالیسی بنانے والوں کے لیے ایک خواب بن جاتی ۔ اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **الْمُسْلِمُونَ شُرَكَاءُ فِي ثَلَاثٍ الْمَاءِ وَالْكَلَإِ وَالنَّارِ "مسلمان تین چیزوں میں شراکت دار ہیں:پانی، چراہ گاہیں اور آگ(توانائی)"**(احمد)۔ اس حدیث کے مطابق توانائی کے ذرائع مسلمانوں کا مشترکہ اثاثہ ہے یعنی عوامی ملکیت ہے اور ایک فرد یا چند افراد اس کے مالک نہیں بن سکتے۔ یہ دیکھا جاسکتا ہے کہ حدیث میں ان تین چیزوں کا نام لیا گیا ہے اور وہ اخذ کیے ہوئے نام نہیں ہیں یعنی جامد ہیں، اور نہ ہی ان تین چیزوں کو عوامی ملکیت قرار دینے کی وجہ بیان کی گئی ہے۔ کیونکہ حدیث میں وجہ بیان نہیں کی گئی تو اس کا یہ مطلب لیا جاسکتا ہے کہ صرف یہی تین چیزیں عوامی ملکیت کے ضمن میں آتی ہیں اور اس بات کو نہیں دیکھا جائے گا کہ کیا وہ معاشرے کی اجتماعی ضرورت ہیں یا نہیں۔ لیکن جب اس مسئلے کا بغور جائزہ لیا جاتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے طائف اور خیبر میں پانی کی نجی ملکیت کی اجازت

کوئی بھی قدرتی ذخیرہ جسے حرارت اور توانائی کے حصول کے لیے نکالا جائے وہ معاشرے کی ضرورت ہے جیسا کہ لکڑی، کوئلہ اور تیل۔ اس طرح کسی بھی ذخیرے کے نجکاری کی اسلام اجازت نہیں دیتا چاہے خواہ اس کا مالک مسلمان ہی کیوں نہ ہو، تو کافر کو دینے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ تو موجودہ توانائی کی مشکل اور بری صورتحال سے پہلے مرحلے پر ہی بچا جاسکتا تھا جب کسی نے اس کے متعلق خیال ہی پیش کیا تھا، کیونکہ پھر عالمی بینک سے تعاون نہ کیا جاتا اور نہ ہی ان کی نجکاری کی جاتی۔

دی اور وہ اس کے حقیقت میں مالک تھے کیونکہ وہ اپنے درختوں اور فصلوں کے لیے استعمال کرتے تھے۔ اگر پانی کو اس وجہ سے عوامی ملکیت قرار دیا جاتا کہ بس وہ پانی ہے اور اس بات کو مد نظر نہیں رکھا جاتا کہ کیا معاشرے کو اجتماعی طور پر اس کی ضرورت ہے تو پھر رسول اللہ ﷺ افراد کو اس پر قبضے کی اجازت نہیں دیتے۔ آپ ﷺ کی جانب سے فرد کو پانی پر قبضے کی اجازت دینے سے پانی، چراہگاہوں اور آگ (توانائی) کو عوامی ملکیت قرار دینے کی یہ وجہ اخذ کی جاسکتی ہے کہ اگر وہ معاشرے کی اس طرح ضرورت بن جائیں گے کہ انہیں فرد کی ملکیت میں دینے سے معاشرہ محروم ہو جائے گا تو پھر یہ تین اشیاء عوامی ملکیت کے حکم میں آئیں گی۔ پس حدیث جن تین چیزوں کا ذکر کرتی ہے، انہیں عوامی ملکیت قرار دیا جائے گا اگر وہ معاشرے کی ضرورت ہیں۔ اس طرح یہ وجہ ایک اصول بن جاتا ہے، کہ کوئی بھی ایسی چیز جو معاشرے کی اس طرح سے ضرورت بن جائے کہ فرد کو دینے سے معاشرہ محروم ہو جائے گا تو اسے عوامی ملکیت قرار دیا جائے گا چاہے وہ حدیث میں ذکر کی گئی تین چیزوں میں سے نہ بھی ہو۔

لہٰذا کوئی بھی قدرتی ذخیرہ جسے حرارت اور توانائی کے حصول کے لیے نکالا جائے وہ معاشرے کی ضرورت ہے جیسا کہ لکڑی، کوئلہ اور تیل۔ اس طرح کسی بھی ذخیرے کے نجکاری کی اسلام اجازت نہیں دیتا چاہے خواہ اس کا مالک مسلمان ہی کیوں نہ ہو، تو کافر کو دینے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ تو موجودہ توانائی کی مشکل اور بری صورتحال سے پہلے مرحلے پر ہی بچا جاسکتا تھا جب کسی نے اس کے متعلق خیال ہی پیش کیا تھا، کیونکہ پھر عالمی بینک سے تعاون نہ کیا جاتا اور نہ ہی ان کی نجکاری کی جاتی۔

نظام کے حوالے سے اسلام کا معیشت کے متعلق ایک منفرد نقطہ نظر ہے۔ ایک طرف اسلام سونے اور چاندی کو کرنسی قرار دے کر کاغذی کرنسی کو ہی ختم کرتا ہے اور دوسری طرف برآمدات اور درآمد

ت کے درمیان ممکنہ فرق کی وجہ سے دولت کے ملک سے باہر جانے کے مسئلے کو کہیں زیادہ بنیادی معاشی طریقے سے حل کرتا ہے۔

اسلام میں ریاست خیال رکھنے والی ریاست ہوتی ہے۔ وہ ایسی ریاست نہیں ہوتی جو دولت کو چند ہاتھوں میں محدود کرنے کے لیے کام کرے۔ خیال رکھنے کا تصور یہ ہے کہ ریاست اپنے شہریوں کا خیال اس طرح سے رکھتی ہے جیسے باپ اپنی اولاد کا خیال رکھتا ہے۔ ریاست بھوکوں کو کھانا کھلاتی ہے، جن کے پاس تن ڈھانپنے کے لیے کپڑے نہ ہو تو انہیں کپڑے دیتی ہے اور رہنے کے لیے چھت مہیا کرتی ہے۔ وہ شہریوں کو تعلم اور صحت کی سہولیات اور انہیں جان و مال کے خوف سے تحفظ فراہم کرتی ہے۔اسلام میں یہ ہے خیال رکھنے کا تصور جس پر عمل کرنا ریاست پر فرض ہوتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا،»**الْإِمَامُ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ**« **"پس امام(خلیفہ) لوگوں پر نگہبان ہے اور اُس سے اُس کی رعایا کے بارے میں سوال ہو گا"**(بخاری)۔ شریعت کے مطابق ریاست کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ تمام شہریوں کو کام کرنے کے مواقع فراہم کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے ریاست کے سربراہ کے طور پر غریب فرد کے نان نفقے کو ریاست پر فرض قرار دیا ہے جس کا کوئی رشتہ دار ایسا نہ ہو جو اس کا بوجھ اٹھا سکے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، » **مَنْ تَرَكَ مَالاً فَلِوَرَثَتِهِ وَمَنْ تَرَكَ كَلاًّ فَإِلَيْنَا**« **" جو کوئی مال چھوڑ جائے وہ اس کے وارثوں کا ہے اور جو کوئی بوجھ چھوڑ جائے**(قرض یا بال بچے)**وہ ہماری ذمہ داری ہے "**(بخاری)۔ صحت کی سہولیات اور خوراک تک رسائی بنیادی حقوق ہیں جس سے تمام شہریوں کو مستفید ہونا چاہیے، رسول اللہ ﷺ فرمایا، »**مَنْ أَصْبَحَ مِنْكُمْ آمِنًا فِي سِرْبِهِ مُعَافًى فِي جَسَدِهِ عِنْدَهُ قُوتُ يَوْمِهِ فَكَأَنَّمَا حِيزَتْ لَهُ الدُّنْيَا**« "تم میں سے جس نے بھی صبح کی اس حال میں کہ وہ اپنے گھر میں امن سے ہو اور جسمانی لحاظ سے بالکل تندرست ہو اور دن بھر کی روزی(خوراک) اس کے پاس موجود ہو تو گویا اس کے لیے پوری دنیا سمیٹ دی گئی "(ترمذی)۔

ریاست کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ دولت کی تقسیم پر توجہ اس طرح سے مرکوز رکھے کہ لوگوں کی بنیادی ضروریات پوری ہو جائیں۔ پالیسی بالکل واضح ہے کہ زمین کو خوراک کی پیداوار لینے کے لیے استعمال کیا جائے گا تا کہ لوگوں کی بھوک کو مٹایا جائے اور قدرتی ذخائر کو کرپٹ حکمرانوں کی جیبوں کو بھرنے یا زرمبادلہ حاصل کرنے کے لیے برآمد نہیں کیا جائے گا بلکہ مسلمانوں کے فائدے کے لیے استعمال میں لایا جائے گا۔ پاکستان کے پاس بہت قابلِ کاشت زمین ہے جس سے پوری مسلم دنیا کی خوارک کی ضروریات کو پورا کیا جاسکتا ہے اور اتنے تیل اور معدنیات کے ذخائر ہیں کہ صنعتوں کو چلانے کے لیے دوسروں پر انحصار نہ کرنا پڑے۔ اس طرح لازمی پالیسی یہ ہو گی کہ ان وسائل کو استعمال میں لایا جائے اور مسلمانوں میں دولت کی تقسیم کو یقینی بنایا جائے۔ ریاست بھاری صنعتوں کو قائم کر کے اہم مشنری کی تیاری میں خود کفالت حاصل کرے گی۔ ہماری بنیادی ضروریات یا ٹیکسٹائل اور دوسری صنعتوں کے لیے درکار مشینری کی درآمد کوئی مسئلہ نہیں رہے گی۔ اس طرح یہ صرف نبوت کے طریقے پر خلافت ہی ہو گی جس کے ذریعے ہم دنیا اور آخرت دونوں کی فلاح حاصل کر سکیں گے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا،**وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الآخِرَةَ وَلاَ تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلاَ تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ لاَ يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ** "اور جو (مال) تم کو اللہ نے عطا فرمایا ہے اس سے آخرت کی بھلائی طلب کیجئے اور دنیا سے اپنا حصہ نہ بھلایئے اور جیسی اللہ نے تم سے بھلائی کی ہے (ویسی) تم بھی (لوگوں سے) بھلائی کرو۔ اور ملک میں طالب فساد نہ ہو۔ کیونکہ اللہ فساد کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا " (القصص28:77)۔

**ختم شد**

# جہاد کیا ہے؟ (2)

تحریر: محمد عمران

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## کیا جہاد کے لیے ریاست کی اجازت لازمی ہے؟

جہاد کے احکامات مطلق ہیں اور یہ کسی اور چیز سے مشروط نہیں جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے: (كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ) "اور تم پر جہاد فرض کر دیا گیا ہے..."[البقرہ:216] پس جہاد کی فرضیت کا خلیفہ یا اسلامی ریاست کی موجودگی سے کوئی تعلق نہیں اور جہاد فرض رہے گا خواہ خلیفہ موجود ہو یا نہیں۔ مغرب کافی عرصے سے اس معاملے میں کنفیوژن پھیلانے کی کوشش کر رہا ہے کیونکہ وہ مسلمانوں کے جذبہ جہاد سے شدید خوفزدہ ہے،اسے مسلمانوں کی زمین پر قبضہ کر کے کبھی چین حاصل نہیں ہو سکا اور ہمیشہ شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا اور یہ آج تک جاری ہے۔ پس مغرب بار بار یہ پروپیگنڈہ کرتا ہے کہ حکمران کے بغیر جہاد نہیں ہو سکتا۔ اور جہاد کرنے کیلئے خلیفہ یا حاکم وقت کی اجازت کی ضرورت ہوتی ہے۔ مسلمانوں میں سے بھی بعض ان کے پروپیگنڈے سے متاثر ہوئے اور انھوں نے ان کی ہاں میں ہاں ملائی۔ نوبت یہاں تک آن پہنچی کہ کچھ لوگوں نے موجودہ حکمرانوں کی اجازت کے بغیر امریکہ کے خلاف جہاد کو بھی حرام قرار دے دیا اگرچہ مشرف اور کرزئی جیسے امریکی ایجنٹ مسلم دنیا کے حکمران تھے۔ بھلا یہ حکمران کیونکر امریکہ کے خلاف لڑنے کی اجازت دیں گے؟ یوں امریکہ نے جہاد کو ان حکمرانوں کے ساتھ جوڑ کر اپنے خلاف ہونے والی مزاحمت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کی ناکام کوشش کی۔ واضح رہے کہ موجودہ حکمرانوں کے ساتھ امت کا کوئی شرعی عقد نہیں اسی لئے شریعت کی رو سے یہ ہمارے اولی الامر نہیں جن کی اطاعت ہم پر فرض ہو۔ اسلام میں ایک حکمران اس وقت ہمارا اولی الامر ہوتا ہے جب امت نے اسے اسلام کے نفاذ کی شرط پر سمع و طاعت کی بیعت دی ہو۔ اس وقت کسی بھی حکمران کے ساتھ مسلمانوں کی ان شرائط پر بیعت موجود نہیں اور یہ تمام حکمران بلاکسی تخصیص کفر کے نظام کے ذریعے حکومت کر رہے ہیں جن کی اطاعت لازم نہیں۔ لہذا شریعت کی رو سے ان میں سے کسی کی بھی اطاعت فرض نہیں کہ وہ ہمیں امریکہ کے خلاف لڑنے سے منع کر سکے یا ہمیں قابض قوتوں کے خلاف جہاد کرنے کے لئے ان کی اجازت کی ضرورت ہو۔ پاکستان کے حکمرانوں نے امریکی اشارے پر تعلیمی نصاب سے سورۃ التوبہ کی آیات کو حذف کر دیا تاکہ کافروں کے خلاف مزاحمت اور جدوجہد نئی نسل کے ذہنوں سے ماند پڑ جائے۔ ماضی میں انگریز نے مسلمانوں میں بعض ایسے گروہ پیدا کئے جنھوں نے جہاد کا انکار کرتے ہوئے ملکہ برطانیہ سے وفاداری کا اعلان کیا اور ان کی اولادیں آج بھی انھی کوششوں میں مصروف ہیں، قادیانی بھی ان کوششوں میں اپنا حصہ ڈال رہے ہیں۔

اسلام میں ایک حکمران اس وقت ہمارا اولی الامر ہوتا ہے جب امت نے اسے اسلام کے نفاذ کی شرط پر سمع وطاعت کی بیعت دی ہو۔ اس وقت کسی بھی حکمران کے ساتھ مسلمانوں کی ان شرائط پر بیعت موجود نہیں اور یہ تمام حکمران بلاکسی تخصیص کفر کے نظام کے ذریعے حکومت کر رہے ہیں جن کی اطاعت لازم نہیں۔ لہذا شریعت کی رو سے ان میں سے کسی کی بھی اطاعت فرض نہیں کہ وہ ہمیں امریکہ کے خلاف لڑنے سے منع کر سکے یا ہمیں قابض قوتوں کے خلاف جہاد کرنے کے لئے ان کی اجازت کی ضرورت ہو۔

چنانچہ خلاصہ کلام یہ ہے کہ جہاد کی فرضیت خلیفہ کی موجودگی سے مشروط نہیں اور نہ ہی اسے کسی موجودہ حکمران کی اجازت کے ساتھ جوڑا جا سکتا ہے کیونکہ قرآن و سنت میں وارد ہونے والے جہاد کے احکامات مطلق ہیں اور ان پر کسی بھی قسم کی قید نہیں لگائی جا سکتی۔ تاہم یہاں پر اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اگرچہ جہاد کی فرضیت کسی اسلامی اتھارٹی سے مشروط نہیں تاہم ایک ایسے خلیفہ کی موجودگی میں جس کو شریعت کے مطابق بیعت دی گئی ہو، جہاد کا انتظامی معاملہ خلیفہ کو تفویض ہو جاتا ہے جیسے مسلمانوں کے دیگر اجتماعی فرائض خلیفہ کے ذریعے منظم ہوتے ہیں۔ خلیفہ اپنے اجتہاد کے مطابق جہاد کو سرانجام دیتا ہے خواہ وہ خلیفہ ظالم ہی کیوں نہ ہو، جب تک وہ موجود ہے یہ معاملہ اس کی ذمہ داری ہے۔ مسلمانوں کیلئے لازم ہے کہ وہ اس کی رائے کا اتباع کریں۔ ابوداؤد نے ابوہریرہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **(الجهاد واجب عليكم مع كل امير برا كان او فاجر)**"تم پر جہاد ہر

امیر کے ساتھ فرض ہے چاہے وہ عادل ہو یا ظالم (ابوداؤد)" اس کا مطلب ہر گز یہ نہیں کہ اگر خلیفہ موجود نہ ہو تو جہاد کا فرض ہم سے ساقط ہو جائیگا۔

خلیفہ کیلئے لازم ہے کہ وہ افواج کی براہِ راست کمان کرے اور جہاد کی ذمہ داریوں سے براہِ راست عہدہ برآ ہو، خلیفہ کیلئے نمائشی کمانڈر انچیف بننا جائز نہیں۔

**جہادِ اصغر اور جہادِ اکبر:**

ایک اور سوچ جو مسلمانوں میں پھیلائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ کافر دشمن کے خلاف قتال جہادِ اصغر جبکہ اپنے نفس کے خلاف لڑنا جہادِ اکبر ہے۔ اس کی دلیل میں عام طور پر یہ حدیث روایت کی جاتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رَجَعْنَا مِنَالْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ ''ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی جانب آگئے ہیں"۔ انھوں نے پوچھا؛"جہاد اکبر کیا ہے"۔ نبی ﷺ نے جواب دیا؛" یہ اپنے نفس کے خلاف جہاد ہے۔" یہ حدیث روایتاً اور درایتاً دونوں لحاظ سے مردود ہے۔ روایتاً (روایت کے لحاظ سے) یہ حدیث"موضوع"یعنی گھڑی گئی ہے۔ حافظ عراقی کے نزدیک یہ ضعیف حدیث ہے جبکہ ابنِ حجر عسقلانی نے بیان کیا ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث نہیں ہے بلکہ ایک شخص ابراہیم ابن ابی عیلا کا قول ہے۔ امام سیوطی بھی اپنی مشہور تصنیف جامع الصغیر میں اس "حدیث" کو مسترد کرتے ہیں۔ نیز درایتاً (مطلب کے لحاظ سے) یہ قرآن و حدیث کے احکامات کے خلاف ہے جس میں کافر دشمن کے خلاف جہاد کو عظیم ترین عمل گردانا گیا ہے۔ معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: **((راس الامر الاسلام و عموده الصلا ة وذروة سنامه الجهاد في سبيل الله))** " بنیادی امر اسلام ہے، صلاۃ (نماز) اس کا ستون ہے، اور جہاد فی سبیل اللہ اس کی چوٹی ہے" (نسائی)۔ جہادِ اکبر و جہاد اصغر کی بحث کو پھیلانے کا مقصد لوگوں کو جہاد کے فریضے کو ترک کرنے پر مطمئن کرنا ہے اور انہیں یہ جھوٹی تسلی دینا ہے کہ اگر وہ اپنے آپ کو شراب، زنا، جھوٹ و خیانت سے بچا رہے ہیں تو انہیں جہاد فی سبیل اللہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

**مسلمانوں کے درمیان لڑائی جہاد نہیں:**

مسلمانوں کے درمیان لڑائی جہاد نہیں اور نہ ہی اس لڑائی میں کوئی شہید ہوتا ہے، اگرچہ یہ ممکن ہے کہ کوئی ایک فریق حق پر ہو اور ایک باطل پر، جیسا کہ

مسلمانوں کے درمیان لڑائی جہاد نہیں اور نہ ہی اس لڑائی میں کوئی شہید ہوتا ہے، اگرچہ یہ ممکن ہے کہ کوئی ایک فریق حق پر ہو اور ایک باطل پر، جیسا کہ اسلامی ریاستِ خلافت کی باغی مسلمانوں سے لڑائی وغیرہ۔ تاہم اس کے باوجود یہ لڑائی جہاد نہیں اور نہ ہی اس میں مرنے والا شہید کہلاتا ہے۔ اس لڑائی کے احکامات مختلف ہیں اور اس میں نہ مال غنیمت ہوتا ہے اور نہ ہی کسی کو غلام یا لونڈی بنایا جاسکتا ہے۔

اسلامی ریاستِ خلافت کی باغی مسلمانوں سے لڑائی وغیرہ۔ تاہم اس کے باوجود یہ لڑائی جہاد نہیں اور نہ ہی اس میں مرنے والا شہید کہلاتا ہے۔ اس لڑائی کے احکامات مختلف ہیں اور اس میں نہ مال غنیمت ہوتا ہے اور نہ ہی کسی کو غلام یا لونڈی بنایا جاسکتا ہے۔ اسی طرح کسی شخص کے اقتدار کو غصب کر کے حکمران بن بیٹھنے کے خلاف لڑنا اور اسے بزور تلوار مسند اقتدار سے اتارنا خروج کہلاتا ہے اور یہ بھی شرعی جہاد کے زمرے میں نہیں آتا۔ اسی طرح اگر کوئی مسلمان کسی کی جان، مال اور عزت پر حملہ کر رہا ہو تو ایسے میں ایک مسلمان دفاع میں لڑنے کا حق رکھتا ہے لیکن اسے بھی جہاد نہیں کہتے۔ جہاد صرف اور صرف اِعلاء کلمۃ اللہ کے لئے کافروں کے خلاف قتال کو کہتے ہیں، مسلمانوں کے خلاف لڑنا جہاد نہیں ہوتا خواہ وہ لڑائی اسلام کی رو سے درست ہی کیوں نہ ہو۔ فقہاء نے جہاد کی جو تعریفیں لکھی ہیں اس میں واضح طور پر اس کو غیر مسلموں سے لڑنے کو شرط بتایا ہے، یہی وجہ ہے کہ خروج، اپنی جان و مال، عزت و آبرو کا دفاع وغیرہ کو فقہاء نے جہاد کے ابواب میں ذکر نہیں کیا۔

چنانچہ ایسی استثنائی صورتوں کے علاوہ مسلمانوں کی آپس میں لڑائی بنیادی طور پر ایک فتنہ ہے اور استثنائی صورتحال کے علاوہ دونوں جانب مرنے والے جہنمی ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **((إذا التقى المسلمان بسيفيهما فالقاتل والمقتول في النار، قلنا يا رسول الله هذا القاتل فما بال المقتول قال انه كان حريصا على قتل صاحبه))** "جب دو مسلمان لڑائی میں ایک دوسرے کا سامنا کرتے ہیں اور (ان میں سے) ایک دوسرے کو قتل کر دیتا ہے، تو قاتل اور مقتول دونوں ہی جہنم کی آگ میں جائیں گے، صحابہ نے پوچھا، اے اللہ کے پیغمبر ایک تو قاتل ہے لیکن جس کو قتل کیا گیا اس کے متعلق بھی یہی فیصلہ ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیونکہ اس کا بھی اپنے ساتھی کو قتل کرنے کا ارادہ تھا"(بخاری)۔ تمام مسلمانوں کی جان، مال، عزت، آبرو دوسرے مسلمان پر حرام ہے

سوائے شرعی دلیل کے۔ مسلمانوں کے دو گروہوں کی آپس میں لڑائی کی صورت میں مسلمانوں کا اصل کام ان دونوں کو اللہ کے حکم پر لوٹانا ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:( وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنْ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ) "اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو پس اگر ایک ان میں سے دوسرے پر ظلم کریں تو ان سے لڑو جو دوسرے پر زیادتی کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم سے رجوع کرے، پھر اگر وہ رجوع کرے تو دونوں میں انصاف سے صلح کرا دو اور انصاف کرو بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔" [الحجرات:9]لہذا مسلمانوں کا مسلمانوں کے خلاف لڑنا مسلمانوں کیلئے فتنہ ہے جیسا کہ عراق اور ایران جنگ کی مثال ہے یا جیسا کہ پاکستان کی افواج اور بعض عسکری گروہ، جو پورے پاکستان میں جہاں موقع ملے افواج پر حملہ آور ہوتے ہیں، کے درمیان جنگ کا تعلق ہے۔ موجودہ حالات میں جب کفار کے زیر اثر غدار اورایجنٹ پاکستانی حکمرانوں نے مسلمان افواج کو مسلمان مجاہدین کے خلاف استعمال کیا اور اس کے جواب میں عسکری گروہ ان حکمرانوں اور افواج پر حملہ آور ہو گئے تو اس نے مسلمانوں کیلئے ایک فتنے کی صورتحال پیدا کر دی۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان دونوں گروہوں کو اللہ کے حکم کی جانب لوٹائیں۔ اور اس کا طریقہ منہج نبوی کی اتباع کرتے ہوئے فکری و سیاسی جدوجہد اور اہلِ قوت کی مدد سے ان حکمرانوں کو اس کفریہ نظام سمیت اکھاڑنا اور اس کی جگہ خلافت قائم کرنا ہے اور پھر ان مسلم افواج کو جہاد کی ذمہ داری سونپتے ہوئے ان کے ذریعے امریکہ کو خطے سے باہر نکالنا ہے۔ اسلام میں قصاص انفرادی ہوتا ہے نہ کہ

> جب مسلمان دارالاسلام (دار المہاجرین) سے محروم تھے اور وہ ایک اسلامی ریاست کے قیام کی کوششوں میں مصروف تھے۔ اس دور میں رسول اللہ ﷺ نے صریحاً ہتھیار اٹھانے سے منع کیا؛ اور جب آپ سے اس کی اجازت مانگی گئی تو آپ ﷺ نے 'لم نؤمر بذالک بعد' یعنی' ابھی اس کی اجازت نہیں ہے (طبقات الکبریٰ)' کہہ کر اسکا منہج واضح کر دیا۔ وگرنہ صحابہ کرامؓ بلاشک وشبہ ہم تمام مسلمانوں سے زیادہ غیرت مند تھے۔ لیکن نبی ﷺ نے صرف سیاسی اور فکری جدوجہد کی اور تشدد، بائیکاٹ، پروپیگنڈا، دھمکیاں، قتل اور طنز و تشنیع کے باوجود کبھی مادی (عسکری) جواب نہیں دیا۔

پورے ادارے کے خلاف۔ پس جس نے ظلم کیا اس سے قصاص لیا جا سکتا ہے جس کے تفصیلی احکامات شریعت میں موجود ہیں ۔ میدان جنگ سے باہر چھاؤنیوں اور دیگر اداروں میں موجود مسلمانوں سے بدلہ لینا کہ ان کا کسی نہ کسی درجے میں اس قتل عام سے تعلق ہے ، ایک غلط دلیل ہے۔ اگر اس منطق کو درست مان لیا جائے تو پھر ہر عام شہری کو بھی اس جنگ میں معاون قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ وہ اس ریاست کو چار و ناچار ٹیکس دینے پر مجبور ہے اور یہ غدار حکمران اسی ٹیکس کے پیسے سے افواج پاکستان کو قبائلی علاقے میں استعمال کر رہے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ عسکری گروہ بھی موبائل فون استعمال کر کے اور بجلی اور گیس کا بل دے کر بالواسطہ ٹیکس کی شکل میں ان غداروں کے ہاں پیسہ جمع کروا رہے ہیں ؟! فوج اور قبائلی مسلمان دونوں امت کے عظیم اثاثے ہیں۔ زیادہ فوجیوں کی ہلاکت یا زیادہ جنگجوؤں کا مرنا اس فتنے کی صورتِ حال کا حل نہیں ہے بلکہ یہ کافر صلیبیوں کی عظیم خدمت ہے۔

**جہاد ریاستِ خلافت کو قائم کرنے کا طریقہ نہیں:**

جس طرح کے پیچھے مختلف حصوں میں گزر چکا ہے کہ جہاد اسلام کے کوہان کی چوٹی اور اسلام کی شان ہے، یہ ایک عظیم فرض ہے اور عظیم الشان اجر کا حامل ہے۔ اور اسی طرح خلافت کے قیام کا فرض بنیادی فرض ہے ، جس پر تمام اسلام کے قیام کی بنیاد ہے، اسی سے حدود جاری ہونگی، جہاد اپنے اصل حقیقت میں لوٹے گا ، مسلمانوں کی جان، مال، عزت، عقیدے اور سرزمین کا تحفظ ہو گا اور مسلمان ایک بار پھر دنیا کے رہنما بن جائیں گے۔ تاہم یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ یہ دو مختلف فرائض ہیں اور دونوں کے لوازمات، منہج، وسائل اور انداز مختلف ہیں۔ جہاں تک خلافت کے قیام کا تعلق ہے ، تو اس کا منہج رسول

اللہ ﷺ کی مکی دور سے اخذ کیا جاتا ہے جب مسلمان دارالاسلام (دار المہاجرین) سے محروم تھے اور وہ ایک اسلامی ریاست کے قیام کی کوششوں میں مصروف تھے۔ اس دور میں رسول اللہ ﷺ نے صریحاً ہتھیار اٹھانے سے منع کیا؛ اور جب آپ سے اس کی اجازت مانگی گئی تو آپ ﷺ نے 'لم نؤمر بذالک بعد' یعنی 'ابھی اس کی اجازت نہیں ہے (طبقات الکبریٰ)' کہہ کر اسکا منہج واضح کر دیا۔ وگرنہ صحابہ کرامؓ بلا شک وشبہ ہم تمام مسلمانوں سے زیادہ غیرت مند تھے۔ لیکن نبی ﷺ نے صرف سیاسی اور فکری جدوجہد کی اور تشدد، بائیکاٹ، پروپیگنڈا، دھمکیاں، قتل اور طنز و تشنیع کے باوجود کبھی مادی (عسکری) جواب نہیں دیا۔ اور آخر کار مدینہ میں حضرت مصعب بن عمیرؓ کے ذریعے رائے عامہ کو ہموار کرنے کے بعد آپ نے طلبِ نصرہ (اہلِ قوت کو قائل کرنے) کے ذریعے ریاست قائم کر دی۔ جبکہ اس کے برخلاف جہاد کا بنیادی طریقہ ہی تلوار، گھوڑے، تیر و تفنگ اور اس کے موجودہ ذرائع جیسے جنگی جہاز، بم، میزائیل، ٹینک اور ایٹمی ہتھیار ہیں۔ جہاد مظاہروں، پریس کانفرنس، سیمیناروں اور امن کانفرنسوں اور مذاکراتوں سے نہیں ہوتا بلکہ یہ میدان جنگ میں ہوتا ہے، جیسا کہ نبی ﷺ نے بدر، احد، خندق، موتہ، تبوک اور دیگر غزوات میں کیا۔ ان دونوں فرائض کو ایک دوسرے میں گڈ مڈ کرنے سے مسلمان اپنے ہدف تک نہیں پہنچ سکتے۔ حالیہ دور میں بعض علماء نے ،جو جہاد کے ساتھ وابستہ رہے ہیں ، اسلامی سرزمین کے حکمرانوں کے خلاف عسکری جدوجہد کو اسلامی ریاست کے قیام کا طریقہ کار قرار دیا ہے۔ وہ اس عسکری جدوجہد کو "جہاد" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اور حکمرانوں میں وہ ان تمام لوگوں کو شامل کرتے ہیں جو اس حکومتی سیٹ اپ کا حصہ ہیں۔ ان کی اس سوچ کی بنیاد چار دلائل ہیں۔

1) موجودہ حکمران اسلام سے مرتد ہو چکے ہیں۔ ان حکمرانوں کو استعماری منصوبوں کے مطابق کھڑا کیا گیا ہے ، ان کا اسلام صرف برائے نام ہے، خواہ یہ بظاہر نمازیں پڑیں، روزے رکھیں لیکن درحقیقت یہ اسلام سے ارتداد کے مرتکب ہیں۔ پس امن مسلمانوں کیلئے ہے اور جہاد کافروں اور مرتد حکمرانوں کے لئے۔ اسلئے ان سے لڑنا جائز ہے۔

2) مالا یتم الواجب الا به فهو واجب (ادائیگی فرض کیلئے جو کچھ ضروری ہے وہ بذات خود فرض ہو جاتا ہے)۔ ان کے مطابق چونکہ اسلامی ریاست کا قیام فرض ہے اسلئے اس فرض کو حاصل کرنے کیلئے جو کچھ ضروری ہے تو وہ بھی فرض ہو جاتا ہے خواہ وہ حکمرانوں سے لڑنا ہی کیوں نہ ہو۔

3) قبضے کی دلیل: استعماری ممالک دراصل ہمارے ممالک پر قابض ہو چکے ہیں اور یہ حکمران ان کے ایجنٹ ہیں پس جس طرح کفار کے قبضے کی صورت میں جہاد فرض عین ہو جاتا ہے اسلئے اس نظام اور ان حکمرانوں سے، جو کہ قابض قوتوں کے نمائندہ ہیں، ان سے لڑنا سب پر فرض ہو گیا ہے۔

4) کفر بواح و کفر صریح کے ارتکاب کی دلیل: وہ قاضی عیاض کا وہ قول (فتویٰ) لے کر آتے ہیں جس میں انھوں نے کہا ہے کہ "اگر حکمران کفر کے نفاذ، شریعت کی تبدیلی یا بدعات کے رواج پر بضد ہو تو اس کی اطاعت غیر موثر اور اس کے خلاف بغاوت کرنا، اس کو ہٹانا اور اس کی جگہ ایک عادل امام کا نفاذ لازم ہے اگر ممکن ہو۔" پس چونکہ یہ حکمران درج بالا افعال کے مرتکب ہیں اور یہ اپنی حکومت سے ہٹنے پر تیار نہیں اور اپنی حکومت کی حفاظت کیلئے بڑی افواج رکھتے ہیں اسلئے اسلامی ریاست قائم کرنے کیلئے لڑنے کے سوا کوئی راستہ نہیں بچتا۔

جہاں تک ان دلائل کا تعلق ہے ان کے مختصر جوابات درج ذیل ہیں۔

1) ارتدد کی دلیل: ارتداد کی دلیل دراصل سورۃ مائدہ کی 44, 45, اور 47 نمبر آیات سے لی گئی ہے جن کا مفہوم یہ ہے کہ جو کوئی اللہ کے نازل کردہ احکامات سے فیصلہ (حکومت) نہیں کرتا پس وہی لوگ ظالم، فاسق اور کافر ہیں۔ اور یقیناً یہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا واضح فیصلہ ہے۔ ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ جو کوئی شریعت میں موجود قرآن کے کسی قطعی فیصلے کا انکار کرے پس وہ کافر ہے، اور جو کوئی کہے کہ اللہ کا قانون نافذ نہیں ہونا چاہئے وہ کافر ہے، اور جو کوئی کہے کہ انسان کا قانون اللہ کے قانون سے بہتر ہے پس وہ کافر ہے ، اور جو کوئی اللہ کے احکامات کا انکار نہ کرے لیکن کہے کہ اللہ کے قانون کے علاوہ میں سے بھی کچھ نافذ کرنا جائز ہے تو وہ بھی کافر ہے کیونکہ وہ حکم کو صرف اللہ تک محدود نہیں کرتا، بیشک وہ یہ کہے کہ اللہ کا قانون اگرچہ بہتر ہے۔ تاہم اگر کوئی اللہ کے قانون کے علاوہ کسی اور قانون سے فیصلے اور حکومت کرے لیکن وہ ان پر ایمان نہ رکھتا ہو بلکہ ان سے نفرت کرتا ہو تو یہ کفر من دون کفر ہے۔ یعنی یہ کفر سے کچھ کم کفر ہے۔ پس اگرچہ یہ عظیم گناہ ہے اور قطعی حرام ہے ، مگر وہ ظالم اور فاسق کہلایا جائے گا اور اسے کافر نہیں کہا جائے گا ۔ مزید یہ کہ ارتداد کا فیصلہ کرنے کیلئے قطعی ثبوت کی ضرورت ہے۔ عبادہ ابن صامتؓ سے روایت حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا؛ "۔۔۔ سوائے اس کے کہ تم صریح کفر دیکھ لو جس کیلئے تمھارے پاس اللہ کی جانب سے واضح دلیل ہو۔" واضح دلیل سے مراد قطعی ثبوت ہے۔ جبکہ بیک جنبش قلم

تمام حکمرانوں، ان کے وزراء، مشیروں اور تمام اعلیٰ حکام کے بارے میں ارتداد کا فیصلہ قطعیت پر مبنی نہیں

2) مالا یتم الواجب الا به فهو واجب کا اصول ایک عمومی اصول ہے اور یہ صرف اس صورت میں استعمال ہو سکتا ہے جب اس حقیقت سے متعلق براہ راست کوئی دلیل موجود نہ ہو جس کی متعلق حکم اخذ کیا جا رہا ہو۔ پس براہ راست دلائل کی موجودگی میں عمومی اصول استعمال نہیں ہو سکتا۔ چونکہ اسلامی ریاست کے قیام سے متعلق تفصیل سے سیرۃ میں منہج موجود ہے اسلئے اس اصول کا استعمال درست نہیں۔

چنانچہ کفر نافذ کرنے والے حکمرانوں کو ہٹانے اور ان کی جگہ شرعی اتھارٹی کے حامل خلیفہ کو عنان حکومت سونپنے کے لئے سیرت میں وارد شدہ شرعی احکامات کی اتباع ہی کی جاسکتی ہے جس میں عسکری جدوجہد کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے مدینہ میں اسلامی ریاست قائم کرنے کی جدوجہد میں کسی بھی قسم کی عسکریت کی اجازت نہ دی۔ اسی لئے ہم بھی آج دار الاسلام کے قیام کے لئے محض فکری و سیاسی جدوجہد اور طلب النصرہ کے اسلامی احکامات کے پابند ہیں اور اس سے روگردانی کرنا شریعت کے احکامات سے روگردانی کرنے کے مترادف ہے۔

3) قبضے کی دلیل کی بنیاد یہ ہے کہ یہ حکمران کافر کے ایجنٹ کے طور پر عمل کر رہے ہیں جبکہ کافر استعمار نے اپنا کنٹرول مسلمان ممالک پر جما دیا ہے اسلئے جہاد الدفع کے تحت مسلمانوں پر لڑنا فرض عین ہو گیا ہے۔

اس دلیل میں غلطی حقیقت کو غلط طور پر سمجھنے سے واقع ہوئی ہے۔ یعنی استعمار کا کنٹرول کس نوعیت کا ہے۔ اگر ان کا کنٹرول فوجی نوعیت کا ہے تو پھر شرع اس فوج کے خلاف لڑنے کا حکم دیتی ہے، لیکن اگر ان کے تسلط کی بنیاد فوجی نہیں بلکہ سیاسی ہے تو پھر اس حقیقت کے متعلق شرع سے حکم معلوم کیا جائے گا۔

چنانچہ سوال یہ ہے کہ کیا پاکستان، مقبوضہ فلسطین اور افغانستان کی حقیقت ایک ہے یا مختلف؟ مقبوضہ فلسطین، اور افغانستان جیسے ممالک میں کافر ملک کی فوجیں گھس کر مسلمانوں کی اتھارٹی کو نیست و نابود کر کے پورے ملک پر فوجی تسلط قائم کیے ہوئے ہیں جبکہ پاکستان، ترکی مصر وغیرہ جیسے ممالک میں ان کا قبضہ سیاسی سیٹ اپ کے ذریعے ہے نہ کہ براہِ راست اپنی افواج کے ذریعے۔ یعنی اب بھی اسلامی علاقوں میں تحفظ مسلم افواج کی بدولت ہے اور۔ ان ممالک میں مسلمانوں کی افواج بحیثیت ایک حقیقت کے موجود ہیں اور تحفظ یا سیکورٹی ان کے ہاتھوں میں ہے۔

ایسے میں بجائے اس کے کہ ان کافر ریاستوں کے سیاسی اثر رسوخ کا خاتمہ کیا جائے اور ان مسلم افواج کو اسلام کے احکامات نافذ کرنے کے لئے آمادہ کیا جائے، اپنے ہی مسلمان فوجیوں اور ریاستی انفراسٹرکچر کو تباہ کرنا مسلمانوں کی قوت کے ذرائع کو کمزور کرنا ہے۔

اسلام اس مسئلہ کا حل بھی منہج نبوی کے ذریعے فراہم کرتا ہے۔ جس کے تحت سیاسی جدوجہد کے ذریعے استعمار کے منصوبوں اور چالوں کو عوام کے سامنے بے نقاب اور ان کے ایجنٹوں کی کفار کے ساتھ ساز باز کو آشکار کیا جاتا ہے۔ یوں عوام کے سامنے ان کے ایجنٹوں کے کمزور ہونے سے درحقیقت استعمار کے سیاسی اثر و رسوخ میں کمزوری پیدا ہوتی ہے۔ اور پھر ان پر آخری وار اہلِ طاقت سے نصرت طلب کرتے ہوئے کیا جاتا ہے جب اہل طاقت میں سے چند مخلص عناصر اس نظام کو اکھاڑ کر خلافت کے قیام کے لئے نصرت فراہم کرتے ہیں۔ یوں نہ صرف ریاست کے تمام تر وسائل مخلص خلیفہ کی اتھارٹی میں آجاتے ہیں بلکہ مسلمانوں کی مضبوط فوج بھی اس کی کمان میں آجاتی ہے جو آج ان غدار حکمرانوں کی بدولت استعمار کے ہاتھوں یرغمال بنی ہوئی ہے۔

4) کفر بواح و کفر صریح کی دلیل کا جہاں تک تعلق ہے تو یہ احادیث موقع و محل کے برخلاف استعمال کی گئی ہیں کیونکہ یہ احادیث جن میں تلوار سے امام کے خلاف اٹھنے کا حکم ہے، صرف دارالاسلام کیلئے ہیں نہ کہ دارالکفر کیلئے۔ کیونکہ احادیث اس امر میں واضح ہیں کہ اس امام کی اطاعت کی جا رہی تھی اور اب کفر بواح و کفر صریح کے باعث خروج کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اور اطاعت صرف ایسے امام کی کی جاتی ہے جس نے جائز طور پر بیعت لی ہو۔ مزید برآں ان احادیث میں تلوار اٹھانے کو روکا جا رہا ہے اس وقت تک " جب تک وہ صلوٰۃ (بمعنی شریعت) قائم کر رہے ہو۔" جو کہ صرف ایک خلیفہ کرتا ہے۔ پس دارالاسلام سے متعلقہ حکم کو دارالاکفر پر لاگو کرنا صریحاً غلطی ہے۔

مزید برآں "جہادی" طریقے کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ "طریقہ" معاشرے میں موجود فاسد نظریات، جذبات و احساسات کی تبدیلی اور دعوت کے ذریعے اہلِ طاقت افراد کو اپنے ساتھ جوڑنے کے نبوی طریقہ کار سے عمومی طور پر عاری ہے جس سے اس طریقے کے قائل لوگوں میں زور، زبردستی، جبر اور سزاؤں کے ذریعے ہی نظام کو نافذ کرنے کی سوچ غالب ہوتی ہے۔ پس یہ "طریقہ" شرعی دلائل اور حقیقت دونوں کے اعتبار سے غلط ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ "منہج" دراصل مسلمانوں پر کفار کے ہولناک اور لرزہ خیز مظالم کے ردعمل میں بعض مسلمانوں کی جانب سے اپنایا گیا ہے جو اسلامی جذبات کی شدت کے باعث اینٹ کا جواب پتھر سے دینا چاہتے ہیں تاہم اس "منہج" کو چننے کے بعد اس کے لئے شرعی دلائل سے تاویل کی گئی ہے۔ کسی بھی ریاست کو چلانے کے لئے ایک نظام کی واضح تصویر اور ایسے افراد درکار ہوتے ہیں جو اس نظام کو پوری طرح سمجھتے ہوں لیکن افسوس جہاد کے ذریعے تبدیلی لانے کے خواہاں

نہ کوئی اسلامی نظام کا خاکہ پیش کرتے ہیں اور نہ ہی وہ سیاسی تدبر اور بصیرت رکھنے والی ٹیم جو خلافت کو چلانے کی اہلیت رکھتی ہو۔ ان میں حالات وواقعات کو گہرائی سے مطالعہ کرنے کا بھی فقدان ہوتا ہے جس کے باعث کبھی وہ کسی ایک قصبے میں "امارت" کا اعلان کرتے نظر آتے ہیں اور کبھی قابض فوج کی بندوق کے نیچے کسی دوسرے گاؤں میں "امارت اسلامیہ" کے عہدیداروں اور امیروں کے ناموں کی تشہیر کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ یقیناً جہاد ایک عظیم فرض اور اعلیٰ ترین اعمال میں سے ہے تاہم اس کو دوسرے فرائض سے گڈ مڈ کرنے کے باعث کوئی بھی فرض درست انداز میں شرعی طور پر ادا نہیں ہو پاتا۔

**دعوتِ اسلام اسلامی ریاست کی خارجہ پالیسی کا محور اور جہاد اس کا عملی طریقہ ہوتا ہے:**

خلافت کی خارجہ پالیسی کی بنیاد تمام عالم تک اسلامی دعوت کو پہنچانا ہے۔ خلافت صدیوں تک اسلام کی دعوت کو دیگر اقوام تک پہنچاتی رہی۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا: (وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِيْنَ) "یہ (اسلام) تمام جہان کے لیے یاد دہانی وپیغام ہے "[القلم:2 5] اور فرمایا: (وَمَا أَرْسَلْنَاكَ اِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْراً وَنَذِيْراً وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُون) " اور (اے محمد ﷺ) ہم نے آپ کو انسانیت کیلئے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں"[السبا:28] پس ان آیات سے واضح ہے کہ اسلام پوری انسانیت کے لئے ہے نہ کہ صرف مسلمانوں کے لئے۔ چنانچہ اس رحمت کو دیگر اقوام تک پہنچانا ہماری ذمہ داری ہے اور اس ضمن میں ہر وہ ریاست یا اتھارٹی جو اسلام کی دعوت کو لوگوں تک پہنچانے میں رکاوٹ بنے گی اسے ہٹانا مسلمانوں کے لئے فرض ہے چاہے انہیں ایسا کرنے میں طاقت کا استعمال ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ چنانچہ اسلامی دعوت کا پہنچانا ہی خلافت کے دوسری اقوام کے ساتھ باہمی تعلقات کی بنیاد بنتا ہے۔ اور کافروں کو دعوت دینے کا طریقہ ان پر اسلامی نظام کا نفاذ ہے جس سے کفار عملی طور پر اسلام کے احکامات کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ خلافت کی ذمہ داری اندرونی طور پر اسلام کو نافذ کرنا اور دعوت وجہاد کے ذریعے اسے تمام دنیا تک پھیلانا ہے۔ یہی اس ریاست کا مقصد اور جواز ہے۔

انسانیت کو ظلم سے نجات دلانے کے ضمن میں جہاد اس امت پر بہت عظیم ذمہ داری ہے۔ آج ایک شودر ذات کا ہندو یا ہریجن بھارت میں جانور سے بدتر زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔ یورپ کا عام شہری سرمایہ دارانہ نظام کی چکی میں پس رہا ہے اور اس کی دولت کا 30 سے 50 فیصد ٹیکسوں کے نام پر سرمایہ دار چھین کر لے جاتا ہے۔ امریکہ میں آزادی کے نام پر عورت کو خرید وفروخت کی شئے بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ ان تمام انسانوں کو اس ظلم سے کون نکالے گا؟ کیا ہم "پر امن بقائے باہمی" کے باطل اصول کو بنیاد بنا کر انہیں ظلم کی آگ میں جلنے کے لئے چھوڑ دیں؟ ہر گز نہیں!! اسلام ہمیں انہیں اس ظلم سے نکالنے کی تلقین کرتا ہے۔ جو صرف اسی وقت ممکن ہے جب ہم ان کے حقوق اسلامی نظام کے نفاذ کے ذریعے انہیں فراہم کریں گے۔ وہ نظام جس نے چودہ سو سال قبل انسان کو انسان کی غلامی سے نکالا۔ عورت، غلام اور کمزور کو اس کے حقوق فراہم کئے۔ آج اسلام ایک بار پھر اس جدید جاہلیت کے دور میں انسان کو جانوروں کی سی زندگی سے نجات دلائے گا۔ اسی لئے ایک مسلمان اس دکھی انسانیت کو ظلم کے گھٹاٹوپ اندھیروں سے نکالنے کے لئے جہاد کرتا ہے۔ جہاد کافروں کو زبردستی مسلمان بنانے یا محض کشور کشائی کے لئے نہیں کیا جاتا بلکہ اس کا مقصد اس کفر نظام کا خاتمہ ہے جس کے ذریعے انسانیت پر ظلم کیا جارہا ہے۔ اللہ واضح طور غیر اللہ کے قوانین کو ظلم کا موجب قرار دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: (وَمَن لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنزَلَ اللهُ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ) "اور جو اللہ کے نازل کردہ کے علاوہ سے فیصلہ (حکمرانی) کریں وہی ظالم ہیں" (المائدہ:45) چنانچہ اگر واقعی ہم دیگر انسانیت کے لئے پریشان ہیں تو ہمیں چاہئے کہ ہم خلافتِ راشدہ قائم کرتے ہوئے اس منظم جہاد کی شروعات کریں جو اسلامی نظام کو پھیلائے گا اور انسانیت کو نظامِ کفر کے ظلم سے نکالے گا۔

خلافت کی ذمہ داری اندرونی طور پر اسلام کو نافذ کرنا اور دعوت وجہاد کے ذریعے اسے تمام دنیا تک پھیلانا ہے۔ یہی اس ریاست کا مقصد اور جواز ہے۔ انسانیت کو ظلم سے نجات دلانے کے ضمن میں جہاد اس امت پر بہت عظیم ذمہ داری ہے۔ آج ایک شودر ذات کا ہندو یا ہریجن بھارت میں جانور سے بدتر زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔ یورپ کا عام شہری سرمایہ دارانہ نظام کی چکی میں پس رہا ہے اور اس کی دولت کا30 سے 50 فیصد ٹیکسوں کے نام پر سرمایہ دار چھین کر لے جاتا ہے۔ امریکہ میں آزادی کے نام پر عورت کو خرید وفروخت کی شئے بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔

آج جہاد کا فرض کما حقہ ادا نہیں ہو رہا اور 'اقدامی جہاد' کا تو تصور ہی محال ہے کیونکہ آج اس امت پر ایک خلیفہ موجود نہیں۔ وہ خلیفہ جو جہاد کو ایک بار پھر وہیں سے جاری کرے جہاں سے یہ عثمانی خلافت کے دور میں منقطع ہوا تھا تا کہ اس بار مسلمان یورپ اور امریکہ کو بھی اسلام کے لئے کھول دیں اور حدیث کے مطابق کوئی وبر (کچا گھر) نہ بچے اور کوئی مدر (پکا گھر) نہ بچے جس میں اسلام داخل نہ ہو، عزت والے کو عزت دے کر (اسلام کی قبولیت سے) اور ذلت والے کو ذلیل کر کے (جزیہ کی ادائیگی سے)۔ اور مشرق و مغرب پر اللہ جل جلالہ کا نظام ہی غالب آجائے۔ یقیناً یہ عمل دنیا وما فیہا سے بہتر ہے۔ (هُوَ الَّذِی اَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَ دِینِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهُ عَلَى الدِّینِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ)

"یہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا تا کہ اسے دیگر تمام ادیان پر غالب کر دے چاہے مشرکوں کو برا ہی لگے" (التوبہ:33)

**ختم شد**

بقیہ صفحہ 31 سے

سے قرض لینے کو حرام قرار دیا ہے۔ ایسا اسلام نے صرف سود کی وجہ سے ہی نہیں کیا بلکہ استعماریوں سے قرض لینے کی صورت میں کفار کو ہمارے معاملات پر بالادستی حاصل ہوتی ہے، جس سے ہمیں شدید نقصان پہنچتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **«لاَ ضَرَرَ وَلاَ ضِرَارَ»** "نہ نقصان پہنچاؤ اور نہ نقصان برداشت کرو" (موطا امام مالک، ابن ماجہ)۔

**اے پاکستان کے مسلمانو!**

اُٹھو اور حزب التحریر کے ساتھ مل کر ہر جگہ اور ہر موقع پر خلافت کے قیام کی آواز بلند کر کے اس بصیرت سے عاری قیادت کے ہاتھوں پہنچنے والی مصیبتوں کا خاتمہ کر دو۔ اُٹھو اور افواج میں موجود ہمارے شیروں سے یہ مطالبہ کرو کہ وہ **حزبُ التّحریر** کو نُصرہ فراہم کریں، جو قابلِ قدر فقیہ عطا بن خلیل ابوالرَشتہ کی قیادت میں خلافت کے قیام کی جدوجہد کر رہی ہے، تا کہ اسلام کی بنیاد پر حکمرانی کا عملی طور پر آغاز ہو۔ صرف اور صرف نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت کے قیام کے بعد ہی ہم ایسی قیادت پر خوش ہو سکیں گے جو ہمارے وسائل، ہماری ملکیت، ہمارے جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت اسلام کے ذریعے کرے گی ۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، **﴿وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ * بِنَصْرِ اللَّهِ يَنْصُرُ مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ﴾** "اور اُس روز مومن خوش ہو جائیں گے۔ (یعنی) اللہ کی مدد سے۔ وہ جسے چاہتا ہے مدد دیتا ہے اور وہ غالب اور مہربان ہے" (الروم:5-4)۔

**حزب التحریر**

**ولایہ پاکستان**

20 جمادی الثانی 1441 ہجری

14 فروری 2020ء

**ختم شد**

بقیہ صفحہ 33 سے

اہم اس کا ترک کرنا اولیٰ ہے۔ ابن القیم رحمہ اللہ نے ان دلائل کے درمیان نہایت خوش اسلوبی سے تطبیق دی ہے، وہ فرماتے ہیں: داغ لگانے کی احادیث چار اقسام پر مشتمل ہیں: ایک اس کا کرنا، دوسری حدیث اس سے آپ ﷺ کا محبت نہ کرنا، تیسری چھوڑنے والے کی تعریف، اور چوتھی اس سے نہی یعنی منع کرنا۔ لیکن الحمد للہ ان احادیث کے درمیان کوئی تعارض یا تضاد نہیں۔ کیونکہ آپ ﷺ کا اس کو کرنا اس کے جواز پر دلالت کرتا ہے، اور آپ ﷺ کا اس سے محبت نہ کرنا اس سے منع کی دلیل نہیں۔ اور چھوڑنے والے کی تعریف اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس کا چھوڑنا اولیٰ اور افضل ہے، جہاں تک اس سے نہی کی بات ہے تو اس سے مراد کراہت ہے، یا پھر اس سے داغ کی وہ قسم مراد ہے جس کی ضرورت نہ ہو، بلکہ اس کو بیماریوں کے خوف کی وجہ سے کرتا ہو۔ (زاد المعاد، لابن القیم الجوزی)

جہاں تک آپ ﷺ کے قول( **وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ** )کا تعلق ہے تو اس میں اللہ تعالیٰ پر بھروسے کی فضیلت اور اس کے بلندی مرتبہ کی طرف اشارہ ہے، یہی وہ الفاظ ہیں جو ماقبل کے تمام اوصاف کا جامع ہے، یعنی وہ کسی سے تعویذ گنڈے کے لیے نہیں کہتے، نہ ہی بد فالی کرتے ہیں، اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں، کیونکہ وہ ان امور سے اس لیے بچتے ہیں کہ ان کا اللہ جل شانہ پر کامل اعتماد ہوتا ہے۔ توکل کیا ہے؟ توکل یہ ہے کہ اللہ عزّ و جلّ پر سچے اور کھرے اعتماد و اطمینان کے ساتھ ساتھ اسباب کو بھی اختیار کیا جائے، اللہ پر سچا اعتماد یہ ہے کہ اپنا معاملہ مکمل طور پر اللہ کے سپرد کر دے۔ اطمینان یہ کہ وہ اس سوچ کے ساتھ رہے کہ اللہ اس کے لیے کافی ہے جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے ﴿وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى ٱللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُۥٓ﴾"جو اللہ پر توکل کرے گا تو اللہ اس کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔"اس کے ساتھ ساتھ اپنا مقصد پورا کرنے کے لیے کوشش ضروری ہے، کیونکہ عمل نہ کرنا سستی ہے، یہ توکل نہیں۔ ابن القیم نے کہا ہے: لوگوں نے اس پر اجماع کیا ہے کہ توکل اسباب اختیار کرنے کے منافی نہیں۔ پس یہ درست نہیں کہ توکل کیا جائے ماسوائے یہ کہ اس کے ساتھ عمل بھی کیا جائے (مدارج السالکین) یہ بھی جائز ہے کہ مسلمان کہے کہ میں نے فلاں کام میں اللہ پر توکل کیا، اس سے اپنے قصد کا اظہار کرنا مقصود ہوتا ہے، دوسرا اس سے اللہ سبحانہٗ کے حضور اپنی بندگی اور عبودیت کا اظہار ہے۔

**ختم شد**

# بصیرت سے عاری باجوہ-عمران حکومت آئی ایم ایف کی استعماری پالیسیوں کے ذریعے ہماری معیشت کا گلا گھونٹ کر اسے بے جان لاشے میں تبدیل کر رہی ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

**اے پاکستان کے مسلمانو!** پچھلے بارہ سال کی بلند ترین مہنگائی کی شرح نے ہمیں ہلا کر رکھ دیا ہے۔ جنوری 2020ء میں مہنگائی کی عمومی شرح 14.5 فیصد تھی جبکہ غذائی اجناس میں مہنگائی کی شرح 20 فیصد تک پہنچ گئی۔ اس مہنگائی نے ہماری کمر توڑ کر رکھ دی ہے؛ ہمارے خون پسینے کی کمائی ہمارے ہاتھوں سے یوں نکلتی جارہی ہے جیسے ریت مٹھی سے پھسلتی ہے۔ ہماری تکلیفیں اس سطح تک پہنچ گئی ہیں کہ ہم بِلبلا اٹھے ہیں۔ لیکن 3 فروری 2020ء کو وزیر اعظم عمران خان کے لیے آئی ایم ایف کے منتخب کردہ مشیر برائے مالیات و محصولات، ڈاکٹر عبد الحفیظ شیخ نے دعویٰ کیا، "قوم دیکھے گی کہ جلد ہی قیمتیں گرنا شروع ہوجائیں گی"۔ بے شک حکومت ہمارے غصے کو ٹھنڈا کرنے کے لیے جھوٹ بول رہی ہے تاکہ ہم استعماری آلہ کار ادارے، آئی ایم ایف، کے ساتھ حکومت کے مسلسل تعاون کی مخالفت نہ کریں جس نے دنیا بھر میں وسائل سے مالامال ممالک کی معیشتوں کو برباد کیا ہے۔

حکومت نے آنکھیں بند کر کے آئی ایم ایف کے مطالبے پر عمل کیا اور ڈالر کے مقابلے میں روپے کی قدر کو تیزی سے کم کر دیا جس کی وجہ سے جنوری 2020ء میں ایک ڈالر 154.2 روپے کا ہو گیا، اور ہم سب بے پناہ مہنگائی کے سیلاب میں ڈوب گئے۔ حکومت نے ہماری کرنسی کو کمزور کیا، ہماری معیشت کی سمت کو تبدیل کیا تاکہ ڈالر کی صورت میں زرِ مبادلہ کمایا جائے جس کا مقصد قرض دینے والے استعماری اداروں کی سود کی قسطوں کو ادا کرنا تھا۔ لیکن روپے کی قوتِ خرید کو کم کرنے کی وجہ سے ہر اُس چیز کی قیمت میں زبردست اضافہ ہو گیا جو ہم روپوں میں خریدتے ہیں۔ روپے کی قدر کمزور کرنے سے وہ اہم درآمدات بھی مہنگی ہو گئیں جو ہماری زراعت ، صنعت اور

> اس بات کو یقینی بنانے کے لیے کہ استعماریوں کو کسی تعطل اور رکاوٹ کے بغیر سودی ادئیگیاں ہوتی رہیں، حکومت نے آئی ایم ایف کے ساتھ مل کر ٹیکسوں میں اضافہ کیا اور زر تلافی (سبسڈِی) کو ختم کیا، اور اس طرح ضروریاتِ زندگی کی کئی اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ ہو گیا۔ اس حکومت نے انتہائی بے رحمی سے تیل پر ٹیکس اس طرح سے لاگو کیا کہ بین الاقوامی قیمتوں میں کمی کے باوجود ملک میں تیل کی مصنوعات کی قیمتوں میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔

ٹرانسپورٹ کے لیے درکار ہیں۔ اور روپے کی قدر کو کمزور کرنے سے حاصل کردہ قرضے مزید مہنگے ہو گئے اور یوں پاکستان کے غیر ملکی قرضوں میں یک دم اضافہ ہو گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اسٹیٹ بینک نے شرح سود میں اضافہ کر دیا جس کے نتیجے میں سود کی قسطوں میں بھی زبردست اضافہ ہو گیا جبکہ پہلے ہی ہمارے بجٹ کا ایک تہائی حصہ قرضوں پر بننے والے سود کی ادائیگیوں پر خرچ ہورہا ہے جبکہ قرض کی اصل رقم اس کے علاوہ ہے۔

توانائی کے شعبے کے حوالے سے آئی ایم ایف کی احکامات کے سامنے ہتھیار ڈالتے ہوئے ،حکومت نے جولائی اور ستمبر 2019 کے درمیانی عرصے میں گیس اور بجلی کی قیمتوں میں زبردست اضافہ کیا۔ حکومت نے یہ قدم اس لیے اٹھایا تاکہ توانائی کے شعبے سے منسلک نجی کمپنیوں کا منافع متاثر نہ ہو۔ توانائی کے وسائل کی نجکاری کے نتیجے میں ریاست اس شعبے سے حاصل ہونے والی زبردست دولت (محاصل) سے محروم ہوجاتی ہے اور یہ ریاست کے ہاتھوں سے نکل کر نجی ہاتھوں میں چلی جاتی ہے۔ ان نجی سرمایہ کاروں کو ان کی سرمایہ کاری پر منافع کی یقین دہانی کرائی جاتی ہے جس کی وجہ سے پاکستانی ریاست کا اپنے معاملات چلانے کے لیے سودی قرضے پر انحصار مزید بڑھ جاتا ہے۔ اور چونکہ ٹرانسپورٹ اور پیداواری عمل کے لیے توانائی لازمی طور پر درکار ہے، تو توانائی کی قیمت میں اضافے سے ہماری ضرورت کی کئی اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ ہوجاتا ہے اور ہماری تکالیف مزید بڑھ جاتی ہیں۔

اس بات کو یقینی بنانے کے لیے کہ استعماریوں کو کسی تعطل اور رکاوٹ کے بغیر سودی ادئیگیاں ہوتی رہیں، حکومت نے آئی ایم ایف کے ساتھ مل کر ٹیکسوں میں اضافہ کیا اور زر تلافی (سبسڈِی) کو ختم کیا، اور اس طرح ضروریاتِ زندگی کی کئی اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ ہو گیا۔ اس حکومت

نے انتہائی بے رحمی سے تیل پر ٹیکس اس طرح سے لاگو کیا کہ بین الاقوامی قیمتوں میں کمی کے باوجود ملک میں تیل کی مصنوعات کی قیمتوں میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔ اس حکومت نے بلا تفریق پوری معیشت پر ظالمانہ سرمایہ دارانہ ٹیکس نافذ کیے اور یہ بھی نہیں دیکھا کہ اس کے نتیجے میں عوام اپنی بنیادی ضروریات کی اشیاء خریدنے کے قابل بھی نہیں رہیں گے۔ اس طرح یہ حکومت ہماری معیشت کا گلا گھونٹ کر اسے ایک بے جان لاشے میں تبدیل کر رہی ہے، ہمارے بازار ویران ہیں، ہمارے کاروبار تباہ ہو چکے ہیں اور ہمارے نوجوان روزگار کے لیے در در کی ٹھوکریں کھاتے اور مایوس نگاہوں کے ساتھ سڑکوں پر جوتیاں چٹخاتے نظر آرہے ہیں۔

**اے پاکستان کے مسلمانو!** بصیرت سے عاری باجوہ-عمران حکومت، ہماری تکلیف کو متکبرانہ انداز سے نظر انداز کرتے ہوئے، ہمارے بچوں کے منہ سے روٹی کا آخری نوالہ تک چھین لینا چاہتی ہے محض اس لیے کہ استعماری مالیاتی اداروں کے سودی قرضوں کی ادائیگی کو یقینی بنایا جائے جو ہماری دم توڑتی معیشت پر گِدھوں کی طرح منڈلا رہے ہیں، ایک کے بعد ایک سودی قرضے دے رہے ہیں تاکہ ہماری تکلیفوں کے گرداب کو مزید گہرا بنا دیں۔ یہ بات واضح ہے کہ ہم کبھی بھی اس دنیا اور آخرت میں کامیاب نہیں ہوسکتے جب تک ہم پر ایسے حکمران حکمرانی کرتے رہیں گے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نازل کردہ ہدایت سے رہنمائی نہیں لیتے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، **وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَى** " **اور جو میری نصیحت(قرآن) سے منہ پھیرے گا اس کی زندگی تنگ ہوجائے گی اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا کرکے اٹھائیں گے**"(طٰہٰ 20:124)۔ صرف اور صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی وحی کی بنیاد پر حکمرانی کے تحت ہی مضبوط اور مستحکم کرنسی کا اجرا ہوگا کیونکہ وہ سونے اور چاندی کی بنیاد پر جاری کی جائے گی، جس سے مسلسل مہنگائی کا مسئلہ جڑ سے ختم ہو جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے 4.25 گرام کے سونے کے دینار اور 2.975 گرام کے چاندی کے درھم کو ریاست کی کرنسی کے طور پر برقرار رکھا، اور شرع نے مالیاتی احکامات صرف سونے اور چاندی سے مربوط کیے جیسا کہ دیت اور زکوٰۃ کا نصاب وغیرہ۔ سونے اور چاندی کی بنیاد پر جاری ہونے والی کرنسی کی اپنی ایک حقیقی قدر

ریاستِ خلافت کا حکمران جو صرف اور صرف قرآن وسنت کی بنیاد پر حکمرانی کرے گا، توانائی اور معدنیات کے شعبوں میں اسلام کے احکامات نافذ کرے گا جس کی رُو سے یہ وسائل عوامی ملکیت ہیں، جن کے امور کا انتظام ریاست کرتی ہے تاکہ اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ ان وسائل سے صرف چند لوگ فائدہ نہ اٹھائیں، جیسا کہ ان کی نجکاری کے بعد ہوتا ہے، بلکہ پورا معاشرہ ان سے مستفید ہو۔

ہوتی ہے جس سے اس کرنسی کو استحکام ملتا ہے۔ یہ صرف خلافت ہی ہوگی جو ہماری کرنسی کو سونے اور چاندی کی بنیاد پر جاری کرے گی، سونے اور چاندی کے ذخائر جمع کرے گی، ان ذخائر کو برقرار رکھنے کے لیے بارٹر (چیز کے بدلے چیز کی) تجارت کو بروئے کار لائے گی اور بین الاقوامی تجارت کے لیے سونے اور چاندی کے استعمال پر اصرار کرے گی، اور یوں بین الاقوامی تجارت پر مغربی استحصالی کرنسیوں کی گرفت کا خاتمہ کرے گی۔

ریاستِ خلافت کا حکمران جو صرف اور صرف قرآن وسنت کی بنیاد پر حکمرانی کرے گا، توانائی اور معدنیات کے شعبوں میں اسلام کے احکامات نافذ کرے گا جس کی رُو سے یہ وسائل عوامی ملکیت ہیں، جن کے امور کا انتظام ریاست کرتی ہے تاکہ اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ ان وسائل سے صرف چند لوگ فائدہ نہ اٹھائیں، جیسا کہ ان کی نجکاری کے بعد ہوتا ہے، بلکہ پورا معاشرہ ان سے مستفید ہو۔ حکمران ایسا اس لیے کرے گا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، « **الْمُسْلِمُونَ شُرَكَاءُ فِي ثَلَاثٍ الْمَاءِ وَالْكَلَإِ وَالنَّارِ** » "تمام مسلمان تین چیزوں میں شراکت دار ہیں: پانی، چراہ گاہیں اور آگ (توانائی)" (احمد)۔ یقیناً ہمارے علاقوں کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے کوئلہ، گیس، شمسی توانائی، تیل، سونے اور تانبے جیسے عوامی وسائل سے مالا مال کیا ہے، جو ہمیں اس قابل بنا سکتا ہے کہ ہم اپنے پیروں پر پوری استقامت اور قوت سے کھڑے ہوں اور سودی قرضوں کے لامتناہی سلسلے سے نجات حاصل کریں۔ ہمارے عظیم دین میں محاصل (ٹیکس) ان لوگوں سے لیے جاتے ہیں جو معاشی طور پر انہیں ادا کرنے کے قابل ہوتے ہیں، جیسا کہ زکوٰۃ ان لوگوں سے وصول کی جاتی ہے جن کا مالِ تجارت نصاب سے زیادہ ہوتا ہے اور خراج ان سے لیا جاتا ہے جو زرعی زمینوں کے مالک ہوتے ہیں۔ پھر ان محاصل کو ہمارے غریب اور مقروض افراد پر خرچ کیا جاتا ہے۔ لہٰذا اسلام کی بنیاد پر ہونے والی حکمرانی ہمیں نچوڑے بغیر محاصل جمع کرے گی اور ایک مضبوط اور سرگرم معیشت کو یقینی بنائے گی جیسا کہ اس سے قبل صدیوں تک کیا جاتا رہا، جس کی ایک مثال برصغیر ہند تھا جو اسلام کی حکمرانی تلے دنیا کی کُل دولت کا 23 فیصد پیدا کرتا تھا اور اورنگ زیبؒ کی حکمرانی کے دور میں یہ 27 فیصد تک چلا گیا۔ اور اسلام نے استعماری طاقتوں

بقیہ صفحہ 29 پر

# دَم اور جھاڑ پھونک

**بسم اللہ الرحمن الرحیم**

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍؓ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: «لَيَدْخُلَنَّ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي سَبْعُونَ أَلْفًا، أَوْ سَبْعُمِائَةِ أَلْفٍ مُتَمَاسِكُونَ، آخِذٌ بَعْضُهُمْ بَعْضًا (صفًا واحدًا بعضهم بجنب بعض). لاَ يَدْخُلُ أَوَّلُهُمْ حَتَّى يَدْخُلَ آخِرُهُمْ (أي أن دخولهم يكون في وقت واحد) وَجُوهُهُمْ عَلَى صُورَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ'' سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں سے ستر ہزار یا سات لاکھ (ابو حازم جو اس حدیث کے راوی ہیں انہیں یاد نہیں رہا کہ سہل نے ستر ہزار کہا یا سات لاکھ) آدمی جنت میں جائیں گے، ایک دوسرے کو پکڑے ہوئے (یعنی ایک کا ہاتھ دوسرے کے ہاتھ میں ہو گا اور اکٹھے ہو کر ایک ہی صف میں ایک دوسرے کے سنگ داخل ہوں گے) کوئی بھی ان میں سے پہلے نہیں گھسے گا جب تک ان کا آخری آدمی داخل نہ ہو جائے (یعنی ان کا جنت میں داخلہ بیک وقت ہو گا) اور ان کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے۔"

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی ﷺ سے روایت کی ہے: "میرے سامنے اُمتیں لائی گئیں، ایک نبی ایسے تھے کہ ان کی امت کے لوگ دس سے بھی کم ہوں گے، بعض نبیوں کو دیکھا جن کے ساتھ ایک یا دو آدمی تھے، اور بعض کے ساتھ کوئی ایک امتی بھی نہ تھا، اس اثنا میں ایک بڑی امت آئی (یعنی زیادہ لوگ جو دور سے نظر آتے ہیں) میں سمجھا کہ یہ میری امت ہے، پھر مجھے بتایا گیا کہ یہ موسیٰ (علیہ السلام) ہیں اور ان کی امت ہے، آپ آسمان کے کنارے کو دیکھیں۔ میں نے اس طرف دیکھا تو ایک اور بڑا گروہ دیکھا، مجھے کہا گیا اب دوسرے کنارے کی طرف دیکھیے، دیکھا تو اس طرف بھی انسانوں کا سواد عظیم ہے (بخاری کی روایت میں ہے: اتنی زیادہ تعداد دیکھی جس سے اُفق چھپ گیا تھا) پھر مجھ سے کہا گیا کہ یہ آپ ﷺ کی امت ہے، ان میں ستر ہزار وہ بھی ہیں جو بغیر کسی حساب اور عذاب کے جنت میں داخل ہوں گے۔" رواوی کہتا ہے کہ اس کے بعد آپ ﷺ کھڑے ہو گئے اور اپنے گھر تشریف لے گئے۔ تو لوگوں نے گفتگو کی (کچھ شور سا بن گیا اور آوازیں اُٹھیں) بغیر کسی حساب و عذاب کے جنت میں داخل ہونے والوں کے بارے میں۔ کسی نے کہا: شاید وہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب ہوں گے، کسی نے کہا: شاید وہ لوگ ہوں گے جو پیدائشی مسلمان ہوں گے اور انہوں نے اللہ کے ساتھ کبھی شرک نہیں کیا، بعضوں نے کچھ اور کہا۔ اتنے میں رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے اور فرمایا: تم لوگ کس چیز میں بحث کر رہے ہو؟ لوگوں نے بات بتائی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو نہ منتر جھاڑ پھونک کرتے ہیں (یعنی دوسروں کو دم نہیں کرتے) اور نہ جھاڑ پھونک کراتے ہیں (کیونکہ اللہ تعالیٰ پر ان کا اعتماد اور بھروسہ قوی ہوتا ہے) نہ ہی وہ بدشگونی کرتے ہیں (یہ طیر سے ماخوذ ہے، اصل میں بدشگونی کو کہتے ہیں جس کا جاہلیت میں بہت چرچا تھا، مگر اس میں ہر قسم کی دیکھی ہوئی یا سنی ہوئی شے اور زمان و مکان شامل ہے) اور اپنے پروردگار پر ہی توکل و اعتماد کرتے ہیں (یہی وہ جامع اصل ہے جس سے پہلے ذکر کردہ تمام افعال و کردار نشو و نما پاتے ہیں، یعنی اللہ پر توکل اور سچائی سے اس کی پناہ لینا) یہ سن کر عُکاشہ بن مِحصَن نے کھڑے ہو کر عرض کیا: آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ وہ مجھے ان لوگوں میں سے کر دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا" تو ان ہی میں سے ہے" (بخاریؒ کی روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اے اللہ ان کو انہی میں سے کر دے) پھر ایک اور شخص اُٹھا اور بولا یا رسول اللہ! "میرے لیے دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان لوگوں میں سے کر دے" تو آپ ﷺ نے فرمایا: "عکاشہ تجھ سے پہلے یہ کام کر چکا"۔ امام مسلمؒ نے عمران رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ "وہ داغ نہیں لگاتے ہیں (یعنی علاج کے لیے) بخاریؒ نے اس حدیث کو ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔

اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ پر توکل کرنے کا مقام و مرتبہ آخرت میں کتنا بلند ہے! کہ ایسا بندہ بغیر کسی حساب اور عذاب کے جنت میں داخل ہو گا۔ کیونکہ وہ دم اور جھاڑ پھونک، بدفالی اور داغ لگانا لگوانا چھوڑ کر صرف اللہ پر توکل کرتا ہے، جو کمال ایمان کی نشانی ہے، اور توکل علی اللہ کا اعلیٰ مرتبہ ہے۔ حدیث میں پیروکاروں کی کثرت کی بنا پر نبی ﷺ کی فضیلت و شرف بھی بیان کیا گیا ہے، اور دیگر امتوں پر اس امت کی برتری کا بیان بھی کیا گیا ہے، نیز یہ کہ اس امت میں اللہ پر بہترین توکل کرنے والے موجود ہوں گے، ایمان کے کئی درجے ہیں، جن میں سے اعلیٰ ترین درجہ اللہ پر صحیح طریقے سے توکل اور بھروسہ ہے۔

جہاں تک شرعی رقیہ (دَم) کا تعلق ہے تو وہ جائز ہے، مگر اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر کے اسے چھوڑنا بڑا مرتبہ ہے، دَم وہ جائز ہے جو کلام الٰہی یا اسمائے حسنیٰ یا اللہ کے صفاتی ناموں سے کیا جائے یا نبی ﷺ سے منقول و ماثور دعاؤں سے۔ نیز یہ اعتقاد بھی ضروری ہے، کہ دَم بذات خود مؤثر نہیں، بلکہ اس کے اندر تاثیر اللہ تعالیٰ ڈالتے ہیں۔ علماء نے اس میں کلام کیا ہے کہ: دَم نبی ﷺ کا طریقہ یعنی سنت ہے، آپ ﷺ جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے، صحیحین میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ثابت ہے، مسلم کی حدیث جو

عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اس میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو دَم کیا تھا، عائشہ رضی اللہ نے بھی دَم کیا تھا، یہ حدیث صحیحین میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے۔ اسی طرح صحابہ دم اور جھاڑ پھونک کرتے تھے، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہانے دَم کیا اور دیگر صحابہ نے بھی دَم کیا، جیسا کہ ابو سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے اور متفق علیہ ہے، ابو سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس صحابی کا قصہ نقل کیا گیا ہے جس نے ایک گاؤں کے سردار کو سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کیا تھا، اور آپ ﷺ نے فرمایا: تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ اس سے دم کیا جاسکتا ہے؟" یہ علماء یہ بھی کہتے ہیں کہ دم کرنے والا دوسرے کے ساتھ بھلائی کرتا ہے، تو اس احسان سے کیوں روکا جائے؟ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: "یارسول اللہ ﷺ میں دم کرسکتا ہوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے تو کرے۔" اس کو مسلم نے روایت کیا ہے۔ اور فرمایا:" جھاڑ پھونک میں شرک کی آمیزش نہ ہو تو کوئی بات نہیں۔" جہاں تک آپ ﷺ کا یہ ارشاد ہے" وہ جھاڑ پھونک نہیں کرواتے" تو اس کا مطلب ہے کہ وہ کسی اور سے جھاڑ پھونک کا مطالبہ نہیں کرتے۔ اس کا مطلب ہے کہ جو ستر ہزار والی فضیلت پانے کا خواہشمند ہو یعنی جنت میں بلا حساب و عذاب داخلہ چاہتا ہے، تو وہ جھاڑ پھونک نہ کروائے، کیونکہ حدیث میں ان لوگوں کی یہ صفت مذکور ہے، حدیث میں استرقاء کا لفظ آیا ہے، اس میں الف، س اور ت، طلب یعنی مانگنے پر دلالت کے لیے آتے ہیں، اس کا مفہوم یہ ہے کہ جائز ہونے کے باوجود جھاڑ پھونک کا مطالبہ نہیں کرتے، جو اللہ تعالیٰ پر مکمل اعتماد اور خود سپردگی کی علامت ہے، اور اللہ کے علاوہ سے لاتعلق ہونے کی نشانی ہے۔ پس جھاڑ پھونک کا مطالبہ کرنے والے کا اس پر ایمان ہوتا ہے کہ جھاڑ پھونک جائز ہے، اور اپنی شرائط کے ساتھ اس میں شفاء بھی ہے، اگر اللہ شفاء دینا چاہے۔ اسی طرح اس کا یہ بھی ایمان ہوتا ہے کہ اکیلا اللہ تعالیٰ ہی شفاء دینے والا ہے، اور اس کو میری حالت کا علم ہے، اللہ ہی ہے جو میرا کام بناتا ہے، اور میری حالت اچھی کرتا ہے۔ ایک مسلمان کا جھاڑ پھونک کو چھوڑنے کے معنی ہیں کہ وہ اسی پر راضی ہے جو اللہ کی مرضی ہے، یعنی شفاء ملے تب بھی، نہ ملے تب بھی، ایسا مسلمان اپنا معاملہ کُلی طور پر اپنے رب کے سپرد کردیتا ہے۔

جہاں تک حدیث میں آئے ان الفاظ **"لَا يَتَطَيَّرُونَ"** کا تعلق ہے (یہ طیر سے لیا گیا ہے، طیر بمعنی پرندہ، یہ اصل میں کسی پرندے سے بدفالی لینے کے معنی میں آتا ہے، جیسا کہ عرب میں اس کا اس کا دستور تھا اور عام طور پر مشہور تھا، پرانے زمانے میں جب شمالی جانب سے کوئی پرندہ اڑتا دکھائی دیتا یا پیچھے کی جانب مڑتا دکھائی دیتا تو وہ اس سے بدفالی لیتے تھے، دائیں طرف چلا جاتا، تو وہ اس سے نیک شگونی لیتے تھے، اسی وجہ سے بد شگونی کو تَطَیُّر کہتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ بدفالی کسی پرندے کے ذریعے ہی ہو۔ یہ ہر قسم کی بدفالی کو شامل ہے، خواہ آنکھوں سے دیکھی ہوئی چیز سے ہو، جیسے کسی پرندے کو دیکھنا، یا سُنی ہوئی چیز سے ہو، مثلاً کوئی ناپسندیدہ آواز سنائی دے اور اسی سے اپنی موجودہ یا آئندہ قسمت و انجام وابستہ کردے اور اسی انتظار میں اپنے شب و روز گزارتا رہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ لوگوں میں ایک بات مشہور ہوجاتی ہے، جس کی کوئی بھی حقیقت نہیں ہوتی، مگر وہ اس کو سچا مانتے ہیں پھر اس سے بدفالی لیتے ہیں۔ مخصوص دنوں سے بدفالی بھی ایسی ہے، چنانچہ ہر دیکھی ہوئی یا سنی ہوئی یا جانی ہوئی چیز سے بدفالی کرنے سے نہی کی گئی ہے۔ بدفالی کا حکم یہ ہے کہ یہ حرام ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اس سے منع کیا ہے، اور اس کے مقابل نیک شگونی کی دعوت دی ہے، صحیحین میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل شدہ حدیث اس کی حرمت پر دلالت کرتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "کوئی چھوت چھات نہیں، کوئی بد شگونی نہیں۔" انس رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "چھوت چھات نہیں، کوئی بد فالی نہیں۔ میں نیک شگونی کو پسند کرتا ہوں۔" صحابہ نے عرض کیا: نیک شگونی کیا ہوتی ہے؟ فرمایا: "اچھی بات" یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ پس حدیث میں بدفالی کی مذمت کی گئی ہے۔ بدفالی توحید کے بھی منافی ہے، اس وجہ سے کہ بدفالی کرنے والے شخص کا اللہ پر سے توکل و اعتماد اُٹھ جاتا ہے، اور دوسری چیزوں پر بھروسہ کرتا ہے، یا کسی ایسی چیز سے تعلق استوار کرلیتا ہے جس کی کوئی حقیقت ہوتی نہیں۔

جہاں تک اس قول **(وَلاَ يَكْتَوُونَ)** کا تعلق ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ داغ لگانے اور اس کے ذریعے شفاء طلبی ستر ہزار والی فضیلت کے حصول میں رکاوٹ بنتی ہے، داغ لگانے کے بارے میں متعدد دلائل آئے ہیں، کچھ اس کی مذمت پر مشتمل ہیں اور کچھ اس کی اباحت یعنی جواز پر دلالت کرتی ہیں۔ چنانچہ صحیحین میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث منقول ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "شفاء تین چیزوں میں ہے، حجامہ کے نشتر میں، یا شہد پینے میں یا آگ کے ذریعے داغ لگانے میں، (لیکن) میں اپنی امت کو داغ لگانے سے منع کرتا ہوں" اور صحیحین ہی کی ایک حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے سعد بن معاذؓ کو داغ لگایا تھا جب ان کی رگ میں تیر لگ گیا تھا۔ ان احادیث کی وجہ سے علماء نے اس کے حکم میں اختلاف کیا ہے، زیادہ ظاہر اس کا جواز ہے واللہ اعلم، بالخصوص جب ضروری ہو۔ اور حدیث میں اس سے جو نہی وارد ہوئی ہے اس کو کراہت پر محمول کیا جائے گا۔

بقیہ صفحہ 29 پر

# وہ جن سے اللہ راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں

# ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ

**بسم اللہ الرحمن الرحیم**

ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نوجوان تھا کہ میرے من کے اندر نور ایمان چمک اُٹھا،اورمیرا قلب اسلامی حقائق سے لبریز ہو گیا۔پہلی مرتبہ جب رسول اللہ ﷺ کی دیدار کا شرف حاصل ہوا تو ایسی محبت ہوئی جس نے میری ہر ہر کل کو اپنی گرفت میں لے لیا، ایسا تعلق ہوا جس نے آپ ﷺ کے سوا ہر چیز سے بیگانہ کر دیا۔ایک دن میں نے اپنے آپ سے کہا: ربیعہ تیرا ناس ہو!تو اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت کے لیے وقف کیوں نہیں کرتا؟ اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ پر پیش کر۔ اگر آپ ﷺ قبول فرمائیں تو آپ کی قربت سے تیرے نصیب اچھے ہوں گے اور آپ ﷺ کی محبت سے کامیابی حاصل ہو گی، دنیا و آخرت کی بھلائیاں ملیں گی۔ پھر میں نے جلد ہی اپنے آپ کو رسول ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ مجھے یہ اُمّید تھی کہ اپنی خدمت کے لیے قبول فرمالیں گے، ایسا ہی ہوا، آپ ﷺ نے مجھے مایوس نہیں کیا اور مجھے بطور خادم قبول کیا۔اسی دن سے میں آپ ﷺ کے سائے سے بھی بڑھ کر آپ ﷺ کے ساتھ رہا، اور جہاں آپ ﷺ تشریف لے جاتے ، میں بھی ساتھ جاتا ، آپ ﷺ جوں ہی میری طرف نگاہ اٹھاتے، میں فوراً حاضر ہو جاتا تھا، اپنی کسی ضرورت کے لیے میری طرف دیکھتے تو مجھے اس کو نمٹانے میں دوڑ تا بھاگتا دیکھتے، پورا دن آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر باش ہوتا تھا۔ جب دن گزر جاتا اور آپ ﷺ عشاء کی نماز پڑھ چکتے اور گھر تشریف لے جاتے تو میں بھی واپس ہونے لگتا ، مگر کچھ دیر بعد پھر دل ہی دل میں کہنے لگتا: ربیعہ تو کدھر جا رہا ہے؟ ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو رات کے وقت کوئی ضرورت پیش آجائے، چنانچہ میں آپ ﷺ کے دروازے پر بیٹھ جاتا اور آپ ﷺ کے دَر کو چھوڑ نہیں سکتا تھا۔

آپ ﷺ پوری رات کھڑے ہو کر نماز پڑھنے میں گزار لیتے تھے، کبھی کبھار سورۂ فاتحہ کی قرأت کرتے سنائی دیتے تھے۔آپ ﷺ مسلسل تہائی رات یا آدھی رات یا کچھ حصے میں اس کو دُہراتے رہتے تھے، تا آنکہ میں تھک جاتا تو میں سننا چھوڑ دیتا تھا، یا پھر نیند غالب آجاتی اور میں سو جاتا تھا۔ میں نے بارہا آپ ﷺ کو (سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ ) کہتے سنا ، آپ ﷺ سورۂ فاتحہ سے بھی زیادہ دیر تک اس کو دُہراتے رہتے۔

رسول اللہ ﷺ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ آپ ﷺ کے ساتھ کوئی بھی شخص احسان کرتا تو آپ ﷺ ضرور بدلے میں اس سے بڑھ کر دینا پسند فرماتے تھے، چنانچہ مجھے میری خدمت کا صلہ دینا چاہا تو ایک دن میری طرف توجہ فرمائی اور کہا: اے ربیعہ بن کعب، میں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ میں حاضر ہوں، آپ کی خدمت کے لیے بار بار حاضر ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "مجھ سے کوئی چیز مانگ لے جو میں تجھے دوں۔" میں نے کچھ دیر کے لیے سوچا اور عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ مجھے کچھ سوچنے دیں۔ تا کہ میں جو آپ سے مانگ کے لوں، اس پر میں سوچ سکوں، پھر میں آپ کو بتادوں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ٹھیک ہے کوئی بات نہیں۔ میں ان دنوں جوان تھا اور غربت بھی تھی، میرے بیوی بچے تھے، نہ ہی کوئی مال یا گھر بار تھا، بس اپنے جیسے دیگر فقراء کی طرح مسجد کے صفہ (چبوترے) کو ہی اپنا مسکن بنالیا تھا (مسجد نبوی ﷺ میں ایک جگہ ہوا کرتی تھی، جہاں نادار اور بے گھر افراد رہا کرتے تھے) اور لوگ ہمیں مہمانانِ اسلام کہا کرتے تھے۔ جب کوئی مسلمان رسول اللہ ﷺ کے پاس صدقہ لے کر آتا ، تو آپ ﷺ پورا کا پورا ہمارے پاس بھجوا دیتے ، اور جب کوئی ہدیہ لے کر حاضر ہوتا تو اس سے تھوڑا بہت لے کر باقی ہمیں بھجوا دیتے۔

ایک دن میں نے دل میں کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ سے دنیا کی کوئی چیز مانگ لیتا ہوں ، جس سے میری تنگدستی دور ہو، اور میں بھی دوسروں کی طرح صاحبِ مال اور اہل و عیال والا بن سکوں۔ لیکن فوراً

ہی یہ سوچا کہ ربیعہ تو ہلاک ہو، تو کیا سوچتا ہے؟ دنیا کی زندگی تو آنی جانی شے ہے، اور تیرے رزق کی کفالت اور ذمہ داری اللہ عزوجل نے لی ہوئی ہے، تو وہ تو پہنچ کر ہی رہے گا، جبکہ رسول ﷺ کا اپنے رب کے ہاں جو مرتبہ ہے، وہ ایسا مرتبہ ہے جہاں کوئی بھی خواہش رد نہیں کی جاتی، اس لیے آپ ﷺ سے یہ مانگو کہ وہ اللہ تعالیٰ سے تیرے لیے آخرت کی بھلائی کی دعا کریں۔ یہ سوچ کر دل خوش ہوا اور اطمینان حاصل ہوا۔ پھر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا: آپ ﷺ نے فرمایا: کیا کہتے ہو ربیعہ؟! تو میں نے عرض کی: یارسول اللہ، میں آپ سے یہ مانگتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ سے میرے لیے یہ سوال کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں آپ کا ساتھی بنادے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ تمہیں کس نے بتایا؟ میں نے کہا: مجھے کسی نے بھی یہ نہیں بتایا، جب آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں آپ سے کچھ مانگوں تو آپ دیدیں گے تو پہلے یہ بات دل میں آئی کہ میں دنیاوی بھلائی آپ سے مانگ لوں پھر جلد ہی ایسا ہوا کہ باقی کو فانی پر ترجیح کی طرف میرا ذہن گیا، اس لیے میں نے آپ سے یہی مانگا کہ آپ میرے لیے جنت میں اپنا دوست ہونے کی دعا کیجیے۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ دیر تک خاموش رہے، پھر فرمایا: ربیعہ! اس کے علاوہ اور کچھ؟ میں نے عرض کیا بالکل نہیں یا رسول اللہ! جو میں نے مانگا ہے میرے نزدیک کوئی شے بھی اس کے برابر نہیں۔ اس پر فرمایا: "تو پھر سجدوں کی کثرت سے اپنی اس خواہش کی تکمیل میں میری مدد کرو" تو میں نے عبادت میں کوشش شروع کی تاکہ جیسے مجھے دنیا میں آپ ﷺ کی خدمت وصحبت کا بڑا حصہ ملا، آخرت میں بھی آپ ﷺ کی دوستی اور ساتھ رہنے سے لطف اندوز ہوتا رہوں۔

> پھر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا: آپ ﷺ نے فرمایا: کیا کہتے ہو ربیعہ؟! تو میں نے عرض کیا: یارسول اللہ، میں آپ سے یہ مانگتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ سے میرے لیے یہ سوال کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں آپ کا ساتھی بنادے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ تمہیں کس نے بتایا؟ میں نے کہا: مجھے کسی نے بھی یہ نہیں بتایا۔ رسول اللہ ﷺ دیر تک خاموش رہے، پھر فرمایا: ربیعہ! اس کے علاوہ اور کچھ؟ میں نے عرض کیا بالکل نہیں یارسول اللہ! جو میں نے مانگا ہے میرے نزدیک کوئی شے بھی اس کے برابر نہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: "تو پھر سجدوں کی کثرت سے اپنی اس خواہش کی تکمیل میں میری مدد کرو"

اس کے بعد کچھ زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا اور فرمایا: "ربیعہ شادی نہیں کرنی ہے؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ مجھے یہ پسند نہیں کہ آپ کی خدمت سے کوئی چیز مجھے اور طرف مشغول کردے۔ میرے پاس بیوی کو مہر میں دینے کے لیے بھی کچھ نہیں، اسے کھلانے پلانے کے اسباب بھی میسر نہیں، آپ ﷺ خاموش ہوئے۔ پھر دوسری بار مجھے دیکھا تو فرمایا: شادی نہیں کرنی ہے ربیعہ؟ میں نے وہی جواب دیا جو پہلے دیا تھا۔

لیکن یہ سوچتے ہی میں پچھتایا اور اپنے آپ سے کہا تیرا ناس ہو ربیعہ! اللہ کی قسم، جو چیز تیری دنیا وآخرت کے لیے بھلی ہے، بے شک نبی ﷺ اسے تجھ سے زیادہ جانتے ہیں، تیری حالت کو تجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ اللہ کی قسم! اگر رسول اللہ ﷺ نے اس کے بعد مجھے شادی کی دعوت دی تو میں ضرور ہاں کہوں گا۔ زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے پھر کہا: ربیعہ شادی نہیں کرنی؟ تو میں نے فوراً عرض کی: کیوں نہیں یارسول اللہ ﷺ مگر میری شادی کون کرائے گا؟ میرا تو آپ کو پتہ ہی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "فلاں والوں کے پاس جاؤ اور انہیں کہو کہ اللہ کا رسول تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم میرا اپنی فلاں لڑکی سے نکاح کردو۔" چنانچہ میں ان کے پاس گیا، کچھ شرما بھی رہا تھا، انہیں رسول اللہ ﷺ کا پیغام پہنچایا، یعنی یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے کہ تم لوگ میرے ساتھ اپنی فلاں لڑکی کا نکاح کرادو۔ انہوں نے کہا فلاں لڑکی؟ میں نے کہا: ہاں، تو انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کو بھی مرحبا کہتے ہیں اور رسول اللہ کے قاصد کو بھی خوش آمدید!

انہوں نے یہ بھی کہا کہ : اللہ کی قسم! رسول اللہ کا قاصد اپنی ضرورت پوری کر کے لوٹے گا، پھر انہوں نے اس کے ساتھ میرا عقد نکاح کیا۔ پھر میں نبی ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ میں ایک بہت اچھے گھرانے سے آرہا ہوں، انہوں نے مجھے خوش آمدید کہا اور اپنی بیٹی کو مجھ سے بیاہ دیا ،اب میں ان کو مہر کہاں سے دوں؟

رسول اللہ ﷺ نے بریدہ بن خصیب کو بلایا( جو قبیلہ بنی اسلم کے سرداروں میں سے ایک سردار تھا) اسے کہا: "اے بریدہ، ربیعہ کے لیے کھجور کی گٹھلی برابر سونا اکٹھا کرلو۔" سو وہ بھی اکٹھا کیا گیا۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے مجھے کہا: یہ لے کر ان کے پاس جاؤ اور انہیں کہو: یہ تمہاری بیٹی کا مہر ہے۔" تو میں ان کے پاس آیا اور وہ سونا دیدیا، انہوں نے خوشی سے قبول کرکے کہا: یہ بہت زیادہ اور عمدہ ہے۔ تو میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا: ایسے شریف اور کشادہ دل لوگ تو میں نے کہیں دیکھے ہی نہیں، میں نے جو دیا وہ اس پر راضی ہوئے( حالانکہ بہت کم تھا) اور کہا: کہ یہ تو بہت زیادہ اور عمدہ ہے۔ یارسول اللہ ﷺ! اب میرے پاس تو ولیمہ کے لیے بھی کچھ نہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:" لوگو ! ربیعہ کے لیے ایک مینڈھے کی رقم اکٹھی کرلو۔" پھر لوگوں نے میرے لیے ایک بہت موٹا تازہ مینڈھا خرید کر دیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے مجھے کہا:" عائشہ کے پاس جاؤ اور اسے کہو کہ اس کے پاس جتنے جَو ہیں، دے دیں" میں گیا تو انہوں نے کہا: وہ زنبیل( کھجور کی چھال سے بنی ٹوکری) لے لو ،اس میں سات صاع جَو ہیں، بخدا ہمارے پاس اس کے علاوہ کھانے کے لیے کچھ بھی نہیں۔ پھر میں مینڈھا اور جَو لے کر اپنی بیوی کے گھر والوں کے پاس آیا تو انہوں نے کہا کہ جَو تو ہم تیار کرلیں گے، مینڈھے کے لیے اپنے دوستوں سے کہو وہ کردیں گے۔ پھر میں نے بنو اسلم کے کچھ لوگوں سے مل کر مینڈھے کو ذبح کیا اور اس کی کھال اُتاری پھر اس کو پکایا، چنانچہ ہمارے پاس گوشت اور روٹی کا کھانا تیار ہوگیا۔ پھر میں نے ولیمہ کیا اور رسول اللہ ﷺ کو دعوت دی تو آپ ﷺ نے قبول کی۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے مجھے کچھ زمین دی جو ابو بکر رضی اللہ عنہ کی زمین کے ساتھ تھی، پھر میرے پاس دنیا آئی تا آنکہ میرا ایک دن ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک کھجور کے درخت پر کچھ اختلاف ہوا، تو میں نے کہا کہ یہ میری زمین میں ہے ،انہوں نے کہا: نہیں میری زمین میں ہے۔ چنانچہ کچھ تنازع سا ہوا، تو انہوں نے مجھے ایک بات کہہ دی جو مجھے بری لگی۔ کچھ ہی دیر بعد انہیں پچھتاوا ہوا اور کہا: اے ربیعہ تم بھی مجھے وہی بات کہہ دو تا کہ بدلہ ہو جائے۔ میں نے کہا: نہیں خدا کی قسم! میں تو نہیں کہوں گا، اس پر انہوں نے کہا: پھر تو میں رسول اللہ ﷺ کے پاس جاکر تیری شکایت لگاؤں گا یعنی کہ مجھ سے قصاص نہیں لے رہا۔ وہ نبی ﷺ کے پاس جانے لگے، میں بھی ان کے پیچھے چلا آیا، بنو اسلم کے لوگ میرے پیچھے آئے اور کہا: کہ برا بھلا کہنے میں بھی پہل کی اور اب یہ رسول اللہ ﷺ کے پاس شکایت لگانے بھی جا رہا ہے۔ میں نے ان کی طرف مڑ کر کہا: افسوس! تم جانتے ہو یہ کون ہیں؟ یہ صدیق ہیں اور مسلمانوں کے بزرگ ہیں(یعنی سفید ریش اور بڑے) واپس جاؤ، کہیں یہ مڑ کر تمہیں دیکھ نہ لیں، وہ یہ سمجھیں گے کہ تم میری مدد کرنے آئے ہو، پھر ناراض ہو جائیں گے، ان کی ناراضگی کے سبب رسول اللہ ﷺ بھی ناراض ہو جائیں گے اور اللہ ان دونوں کی ناراضگی کے سبب غصہ ہوں گے، یوں ربیعہ تباہ و برباد ہو جائے گا۔ چنانچہ وہ واپس چلے گئے۔ ابو بکر رضی اللہ نے آپ ﷺ کے پاس آکر بات عرض کی ،تو رسول اللہ ﷺ نے میری طرف نگاہ اٹھائی اور فرمایا: اے ربیعہ یہ ابو بکر کے ساتھ کیا معاملہ ہوا ہے؟ میں نے عرض کی ،یارسول اللہ ﷺ اتنی سی بات تھی کہ انہوں نے مجھ سے وہی کچھ کہلوانا چاہا جو انہوں نے مجھے کہا تھا، لیکن میں نے کہنے سے انکار کیا۔ تو آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا:" ٹھیک ہے تم ایسا نہ کہو جو ابو بکر نے کہا ہے مگر ایسا کہو کہ اللہ ابو بکر کی مغفرت فرمائے" تو میں نے کہا: ابو بکر اللہ آپ کی مغفرت فرمائے۔ تو ابو بکرؓ یہ کہتے ہوئے جانے لگے، جبکہ ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، اے ربیعہ بن کعب میری طرف سے اللہ تجھے بہترین جزا دے۔۔۔۔ اے ربیعہ بن کعب میری طرف سے اللہ تجھے بہترین جزا دے۔

**ختم شد**

# سوال وجواب: امریکا - چین تجارتی معاہدہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

**سوال:**

امریکا کے صدر نے کہا:"چین کے ساتھ تجارتی معاہدے کے پہلے حصے پر دستخط ہوسکتے ہیں"۔ اور پھر کچھ ہی دنوں بعد یہ اعلان کیا گیا کہ 15 جنوری کو اس پر دستخط ہو جائیں گے۔ ٹرمپ نے مزید کہا:"میں صدارتی انتخابات کے بعد چین کے ساتھ معاہدے کے دوسرے حصے کو بھی مکمل کرنا چاہوں گا تا کہ کئی مہینوں سے دنیا کی دو سب سے بڑی معیشتوں کے درمیان جاری تجارتی جنگ کو ختم کیا جاسکے جس کی وجہ سے مارکیٹ میں ہنگامہ خیزی کی صورتحال ہے اور عالمی پیداوار متاثر ہوئی ہے۔۔۔"( بوابة العین، 10 جنوری 2020)۔ اور چین کی وزارتِ تجارت نے سرکاری سطح پر اس کی تصدیق کرتے ہوئے کہا، " تجارتی معاہدے کے پہلے حصے پر دستخط کرنے کے لیے نائب صدر لیو ہی واشنگٹن جائیں گے۔ دستخط کرنے کے حوالے سے چین کی جانب سے یہ پہلا بیان تھا، جس کے متعلق ٹرمپ نے کہا تھا کہ وہ اس پر دستخط ہونے کے بعد چین کا دورہ کرے گا تا کہ دوسرے حصے پر مذاکرات شروع ہو سکیں۔۔۔"( ٹریڈ کیپٹن، 10 جنوری 2020)۔ کیا موجودہ صورتحال میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ امریکا اور چین کے درمیان تجارتی جنگ ختم ہوگئی ہے ؟

**جواب:** اس سوال کا جواب اور امریکا-چین تجارتی جنگ کی اصل بنیاد سمجھنے کے لیے ہم مندرجہ ذیل امور کا پہلے جائزہ لیں گے:

**پہلی بات:اس مسئلے کا پس منظر:**

1۔ چین کے حوالے سے امریکا کی پالیسی کا مشاہدہ کرنے والا یہ سمجھ سکتا ہے کہ امریکا یوریشیا

چین کے حوالے سے امریکا کی پالیسی کا مشاہدہ کرنے والا یہ سمجھ سکتا ہے کہ امریکا یوریشیا(یورپ اور ایشیا) کے خطے میں اپنی بالادستی چاہتا ہے اور اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ چین اُس سے آگے نکل جائے کیونکہ یوریشیا ایک اہم خطہ ہے جس کے متعلق امریکا نے مضبوط خارجہ پالیسی بنائی ہے تا کہ اس پر اپنی بالادستی کو یقینی بنا سکے اور یہ پالیسی آج کے دن تک امریکی اداروں کے مفادات کی نگہبانی کر رہی ہے۔

(یورپ اور ایشیا) کے خطے میں اپنی بالادستی چاہتا ہے اور اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ چین اُس سے آگے نکل جائے کیونکہ یوریشیا ایک اہم خطہ ہے جس کے متعلق امریکا نے مضبوط خارجہ پالیسی بنائی ہے تا کہ اس پر اپنی بالادستی کو یقینی بنا سکے اور یہ پالیسی آج کے دن تک امریکی اداروں کے مفادات کی نگہبانی کر رہی ہے ۔1991 میں سوویت یونین کے خاتمے کے بعد سے چین کے حوالے سے امریکی خارجہ پالیسی کی ساخت پر امریکا میں سیاسی رائے دو حصوں میں تقسیم رہی ہے:

**پہلی رائے:** یہ ہے کہ امریکا کے قائم کردہ عالمی نظام میں چین کو بھی ایک حصہ دار بنایا جائے اور اس مقصد کے حصول کے لیے اس سے رابطے استوار کیے جائیں اور اس کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

**دوسری رائے:** یہ ہے کہ چین کی نیت پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا اور اس نے بالا آخر ایک مخالف قوت بننا ہے جو مغرب کے قائم کردہ بین الاقوامی نظام کے خلاف کھڑا ہو گا جس کی قیادت امریکا کر رہا ہے۔

بیسوی صدی کی نوے کی دہائی کے وسط میں امریکا کی خارجہ پالیسی بنانے والی اسٹبلیشمنٹ اس نتیجے پر پہنچ گئی کہ چین کو ایک مدمقابل قوت قرار دیا جائے اور چین کی اُبھرتی قوت کو محدود کرنے کی پالیسیاں اختیار کیں جائیں۔ڈیموکریٹک کلنٹن اور اوباما کے دور میں چین کو محدود کرنے کی پالیسی اختیار کی گئی، اور ری پبلیکن بش جونیئر اور ٹرمپ کے دور میں چین کو محدود کرنے کے لیے زیادہ جارحانہ پالیسی اختیار کی گئی۔ ٹرمپ نے چین کے خلاف کھلی تجارتی جنگ کی راہ اختیار کی اور اس حوالے سے حرکت میں آیا۔(فائنینشل ٹائمز)۔

2۔ چین کو محدود کرنے کی امریکی پالیسی کے دو اہداف تھے: پہلا یہ کہ چین کو علاقائی طاقت بننے سے روکا جائے، اور دوسرا یہ کہ مغرب کے قائم

کردہ بین الاقوامی نظام کو تبدیل کرنے سے چین کو روکا جائے۔ ان اہداف کو حاصل کرنے کے لیے امریکا نے کئی اقدامات اٹھائے جن میں تبت، مشرقی ترکستان اور ہانگ کانگ میں انسانی حقوق کا معاملہ۔۔۔، شمالی کوریا کے ایٹمی بحران اور ساوتھ چائنا سی میں چین کو مصروف رکھنا۔۔۔ایشیا پیسیفک میں چین کی فوجی خواہشات اور طاقت کو بڑھنے سے روکنے کے لیے بھارت، جاپان اور آسٹریلیا کو استعمال کرنا۔۔۔جدید ترین ٹیکنالوجیز تک چین کی رسائی کو محدود کرنا۔۔۔اور چین کے ون روڈ ون بیلٹ کے منصوبے سے پیچھے ہٹ جانا شامل ہے۔ امریکا کی سیاسی اسٹیبلیشمنٹ نے چین کو محدود کرنے کی پالیسی کو چند معمولی تبدیلیوں کے ساتھ برقرار رکھا۔ لیکن 2008 کے عالمی مالیاتی بحران اور افغانستان و عراق میں امریکا کی تباہ کن جنگوں نے امریکا کو یہ احساس دلایا کہ چین کو صرف محدود رکھنے کی پالیسی کافی نہیں ہے اور اس نے اس پالیسی کو مزید مضبوط بنانے کا فیصلہ کیا۔ اوباما کی حکمت عملی ، جو Pivot to Asia کے نام سے مشہور ہوئی، کا ہدف یہ تھا کہ یورپ سے فوجی سازوسامان اور سپاہیوں کو ایشیا اور پیسیفک کے خطے میں منتقل کیا جائے اور چین کی فوجی صلاحیتوں کا مقابلہ کیا جائے۔ ٹرمپ نے چین کی معیشت کو براہ راست نشانہ بنانا شروع کیا اور اس کی حکومت نے چین کو "کرنسی میں ہیرا پھیری" کرنے والا ملک قرار دیا اور بیجنگ کے ساتھ تجارتی جنگ شروع کردی۔ اس عمل نے بین الاقوامی قوانین پر مبنی نظام میں چین کو محدود کرنے کے عمل کو آگے بڑھایا(بی بی سی)۔

**دوسری بات: امریکا اور چین کے درمیان تجارتی جنگ:**

1۔ جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا تھا کہ امریکا نے چین کے ساتھ تجارتی جنگ شروع کی تا کہ چین کی ابھرتی طاقت کو پھیلنے سے روکا جائے، اور دونوں معاشی طاقتوں کے درمیان تجارتی جنگ میں تجارتی خسارے کی وجہ سے تیزی آئی۔ امریکا چین سے 558 ارب ڈالر کی اشیاء اور خدمات درآمد کرتا ہے اور اس کے مقابلے میں چین امریکا سے صرف 179 ارب ڈالر کی اشیاء اور خدمات درآمد کرتا ہے(Office of the United States Trade Representative)۔ لیکن کچھ ہی عرصہ قبل ان کے درمیان اتفاق نظر آیا جس کا مقصد اپنے اپنے مفادات کو حاصل کرنا ہے۔

2۔ حالیہ مہینوں میں امریکا اور چین ایک جزوی تجارتی معاہدے پر متفق ہوئے ہیں ، "جو کہ دنیا کی دو بڑی معیشتوں کے درمیان بڑھنے والی تجارتی جنگ کو ختم کرے گی جو پچھلے سال سے جاری ہے۔ ٹرمپ نے پہلے کہا تھا کہ تجارتی معاہدے کا پہلا حصہ مکمل معاہدے کے 60 فیصد کا احاطہ کرے گا، اور اس بات سے یہ خیال کیا گیا کہ امریکا کی جانب سے چینی مصنوعات پر درآمدی ٹیکسز کم کرنے کے جواب میں چین مزید امریکی زرعی مصنوعات خریدے گا۔۔۔"(العربي الجديد، 5 جنوری 2020)۔ العربیہ نیٹ نے 15 دسمبر 2019 کو یہ رپورٹ شائع کی کہ:" دنیا کی دو بڑی معیشتوں میں تجارتی جنگ شروع ہونے کے 21 ماہ بعد، امریکا چین کے ساتھ تجارتی معاہدے کے پہلے حصے پر متفق ہو گیا ہے لیکن اس پر دستخط جنوری سے پہلے نہیں کرے گا۔ اس معاہدے کے تحت امریکا نے اس بات کی تصدیق کی کہ وہ 120 ارب ڈالر مالیت کی چینی مصنوعات پر 15 فیصد کے ٹیکس کو نصف کرے گا لیکن 250 ارب ڈالر مالیت کی چین سے درآمد کی جانے والی مصنوعات پر 25 فیصد ٹیکس برقرار رکھے گا۔ اور امریکا نے مزید 160 ارب ڈالر مالیت کی چینی مصنوعات پر 15 فیصد کی ٹیوٹی لگانے کے منصوبے کو ملتوی کردیا جس پر آج سے عمل درآمد شروع ہونا تھا جس میں کھلونے اور سمارٹ فون شامل ہیں۔ بیجنگ نے بھی اس بات پر اتفاق کیا کہ وہ اگلے دو سال کے عرصے میں مزید امریکی مصنوعات اور خدمات درآمد کرے گا جن کی کم از کم مالیت 200 ارب ڈالر ہو گی۔ چین نے کچھ امریکی اشیاء پر مزید ٹیکس لاگو کرنے کے عمل کو ملتوی کردیا جس پر آج سے عمل درآمد شروع ہونا تھا جس میں امریکی کاروں پر 25 فیصد اور سپیر پارٹس پر 5 فیصد کسٹم ڈیوٹی شامل تھی۔ چین نے واضح کیا کہ وہ 126 ارب ڈالر مالیت کی امریکی مصنوعات پر کسٹم ڈیوٹی کے نفاذ کو التوا میں رکھے گا اور یہ وعدہ کیا کہ وہ امریکی زرعی مصنوعات کی خریداری میں اضافہ کرے گا جس کی مالیت سالانہ 50 ارب ڈالر تک ہو گی"۔ ٹرمپ اس بات کا بہت خواہش مند رہا ہے کہ امریکی زرعی مصنوعات کے لیے نئی منڈیاں تلاش کرے کیونکہ اس سال 2020 میں وہ صدارتی انتخاب لڑنے جارہا ہے اور بھاری قرضوں تلے دبے ہوئے کسانوں کی ووٹوں سے محروم نہیں ہونا چاہتا جن کے پاس بہت زیادہ برآمدی منڈیاں موجود نہیں ہیں۔ اس سے پہلے البیان نیوز ویب سائٹ نے یہ خبر شائع کی تھی کہ:

"چین کی وزارت تجارت نے جمعہ کو یہ بیان دیا: معاہدے نے دوطرفہ برابری اور عزت کے اصول کو سامنے رکھا، اور اس میں نو باب ہیں: دیباچہ، دانشورانہ املاک کے حقوق، ٹیکنالوجی کا تبادلہ، خوراک اور زرعی اشیاء، مالیاتی سہولیات، شرح تبادلہ اور ان میں شفافیت، تجارت میں پھیلاؤ، دوطرفہ تشخیص اور تنازعات کا تصفیہ، اور آخری شرائط" (البیان نیوز، 13 دسمبر 2019)۔

3۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تجارتی جنگ کے حوالے سے یہ معاہدے ان دو ممالک کے درمیان معاشی تناؤ کو ختم کردیں گے کیونکہ چین کو قابو میں کرنے کے لیے تجارتی جنگ اصل ہدف نہیں ہے بلکہ اس کے پیچھے کچھ اور کارفرما ہے جو کہ امریکا کی معیشت اور اس کی بین الاقوامی ترجیحات کے لیے زیادہ خطرناک اور سنجیدہ مسئلہ ہے۔ چین پانچویں نسل (ففتھ جنریشن) کی ٹیکنالوجی، آگے آنے والی وائرلیس کمیونیکیشن اور سب سے اہم مصنوعی ذہانت کے شعبے میں اس وقت سب سے آگے ہے۔ امریکا کے ڈیفنس انوویشن بورڈ، جس میں سابق ایلفابیٹ چیئرمین ایرک شمٹ، لِنکڈاِن کے بانی رِیڈ ہافمین اور مصنف اور ایسپن انسٹی ٹیوٹ کے چیف ایگزیکٹو والٹر اسحاق سن شامل ہیں، نے لکھا: "اگلی دہائی میں فائیو-جی (5G) کا لیڈر ہزاروں ارب ڈالر کمائے گا، وائرلیس ٹیکنالوجی کے شعبے میں وسیع پیمانے پر ملازمتیں پیدا ہوں گی۔۔۔۔ جو ملک فائیو-جی کا مالک ہوگا وہ ان میں سے کئی ایجادات کا مالک ہوگا اور پوری دنیا کے لیے پیمانے قائم کرے گا۔ اور اس بات کا امکان کم ہے کہ وہ ملک امریکا ہوگا" (ZDNet)۔

4۔ ففتھ جنریشن "فائیو-جی" انتہائی تیز ٹیکنالوجی ہے۔ محققین نے بتایا ہے کہ فائیو-جی کے ذریعے کمیونیکیشن کی رفتار جانچی گئی جس نے ریکارڈ رفتار حاصل کی: ایک ٹیرا بائیٹ فی سیکنڈ، یہ رفتار موجودہ نظام سے 200 گنا زیادہ تیز ہے۔ برطانیہ میں یونیورسٹی آف سرے کے فائیو-جی سینٹر میں کی جانے والی تحقیق کے مطابق ایک مکمل فلم سے 100 گنا زیادہ بڑی فائل کو صرف تین سیکنڈ میں ڈاون لوڈ کیا جاسکتا ہے۔ یہ رفتار فور-جی کی ڈاون لوڈ سپیڈ سے 65 گنا زیادہ تیز ہے۔ اس سال 50 سے 100 ارب آلات انٹرنیٹ سے منسلک ہونے کی توقع ہے، لہٰذا ایک نئی اور مختلف فریکونسی بینڈ کی ضرورت ہے جو انٹرنیٹ سے جڑنے والے آلات کی روزبروز بڑھتی ضروریات کو پورا کرسکے۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے فائیو-جی تکنیکی طور پر کس طرح کام کرتا ہے تو ایک ٹیکنالوجی جس کا نام "میمو" ہے جس کا مطلب ہے "ملٹی پل ان پُٹ ملٹی پل آوٹ پُٹ"، فائیو-جی نیٹ ورک میں ایک کلیدی کردار ادا کرے گی۔" میمو" ٹیکنالوجی کئی چھوٹے اینٹینے استعمال کرے گی تاکہ معلومات کو انفرادی سطح پر منتقل کیا جاسکے۔ سام سنگ نے ڈیٹا ڈاون لوڈ کی زبردست رفتار کے لیے اس ٹیکنالوجی پر انحصار کیا، اور فائیو-جی نیٹ ورکس اس سے بھی زیادہ نشر کرنے والے اسٹیشن استعمال کرے گا" (العرب 13 جولائی 2017)۔

5۔ 2017 میں شمٹ نے ورلڈ اکنامک فورم پر یہ انکشاف کیا کہ "زیادہ وقت نہیں لگے گا کہ چین مصنوعی ذہانت کی تعمیر میں امریکا سے آگے نکل جائے گا" (ورلڈ اکنامک فورم)۔ مصنوعی ذہانت کا اظہار ان چیزوں میں ہوتا ہے:

- مصنوعی ذہانت پر مبنی چیٹ بوٹس کا استعمال تاکہ صارف کی مشکلات کو تیزی سے سمجھا جاسکے اور اسے زیادہ بہتر جوابات دیے جائیں۔
- مصنوعی ذہانت کا استعمال بڑے بڑے ڈیٹا بیس سے اہم معلومات کا تجزیہ کرنے کے لیے کیا جاتا ہے تاکہ نظام الاوقات scheduling کو بہتر کیا جاسکے۔

ماہرین نے اگلے چند سال کے دوران مصنوعی ذہانت میں بہت زیادہ سرمایہ کاری اور دلچسپی کا عندیہ دیا ہے، اور ڈیلوئٹ (Deloitte) نے اندازہ لگایا ہے کہ 2021 تک مصنوعی ذہانت اور مشینوں میں 57.6 ارب ڈالر تک خرچ کیے جائیں گے جو کہ 2017 میں خرچ ہونے والی رقم سے پانچ گنا زیادہ ہے۔ 6۔ یہ بات حیران کن نہیں کہ ٹرمپ نے کھلے عام "ہواوے" (Huawei) کی مخالفت کی جو کہ تکنیکی طور پر فائیو-جی ٹیکنالوجی بنانے میں سب سے زیادہ قابلیت رکھتا ہے۔ ٹرمپ نے کئی مواقعوں پر کہا ہے کہ اس چینی کمپنی سے خطرہ ہے۔ ٹرمپ نے نیٹو کے اجلاس میں کہا تھا کہ، "میں یہ نہیں سمجھتا کہ یہ سیکیورٹی رسک ہے بلکہ یہ سیکیورٹی خطرہ ہے" (بزنس اِن سائڈر)۔ اس وجہ سے امریکا نے کئی مغربی ممالک (اٹلی، برطانیہ، جرمنی وغیرہ) کو مجبور کیا کہ وہ اپنے ملکوں میں فائیو-جی کی بولی کے عمل سے یا اس کی تنصیب سے "ہواوے" کو الگ کردیں، اور امریکا یہ کام سیکیورٹی خلاف ورزیوں کا جھوٹا الزام لگا کر کر رہا ہے۔ امریکا نے کینیڈا سے کہا کہ وہ ہواوے کے چیف فائنینشل آفیسر مینگ وینژہو کو اس بنیاد پر گرفتار کرے کہ اس

نے مبینہ طور پر ایران کے خلاف امریکی پابندیوں کی خلاف ورزی کی ہے۔ امریکا یہ چاہتا ہے کہ چینی فائیو-جی نیٹ ورک پر پابندی عائد کر دی جائے، اور ٹرمپ نے کی چین کو سلیکون چپس کی فروخت بھی روک دی ہے۔

7۔ چین 2025 کے منصوبے کے تحت ٹیکنالوجی میں خود انحصاری حاصل کرنے کے لیے بہت عرصے سے کام کر رہا ہے، لیکن جس طرح امریکا نے ہواوے اور دیگر چینی کمپنیوں کے خلاف کام کیا ہے، اس کی وجہ سے چین نے اس شعبے میں مکمل خود انحصاری حاصل کرنے کی کوششوں میں اضافہ کر دیا ہے۔ چین نے 2022 تک اپنا اپریٹنگ سسٹم بنانے کے منصوبے کا اعلان کیا ہے، اور امریکی کمپنیوں آئی بی ایم، مائیکرو سافٹ، ڈیل اور دیگر امریکی کمپنیوں پر اس کے دروازے بند کر دیے ہیں۔ اس کے علاوہ چین نے خود سے سیلی کون چپس بنانے کے منصوبے کا ارادہ رکھتا ہے۔ چین نے ہزاروں تائیوانی چپ انجینئرز کی تنخواہوں کو دوگنا کر دیا ہے جنہیں وہ پچھلے کئی سال سے چین منتقل کر رہا ہے۔ امریکی تجزیہ نگار اس بات کی توقع کر رہے ہیں کہ پانچ سے سات سال کے عرصے میں چین چپ کی صنعت میں خود انحصاری حاصل کر لے گا۔ ان منصوبوں پر چل کر بیجنگ مصنوعی ذہانت پر مبنی معیشت سے بڑے پیمانے پر دولت کمائے گا۔

8۔ امریکا فائیو-جی اور مصنوعی ذہانت کے نظام میں چین کی صلاحیت کو محدود کرنے کی بھر پور کوشش کر رہا ہے کیونکہ یہ ٹیکنالوجی آج اتنی ہی اہم ہے جتنی کبھی بھاپ کا انجن، بجلی اور سلیکون چپ تھی۔ یہ ٹیکنالوجیز اب پیداوار اور معاشی بڑھوتی کے انجن ہیں۔ لہٰذا موجودہ تجارتی جنگ محض تجارتی جنگ نہیں جس کا مقصد امریکا اور چین کے

امریکا فائیو-جی اور مصنوعی ذہانت کے نظام میں چین کی صلاحیت کو محدود کرنے کی بھرپور کوشش کر رہا ہے کیونکہ یہ ٹیکنالوجی آج اتنی ہی اہم ہے جتنی کبھی بھاپ کا انجن، بجلی اور سیلیکون چپ تھی۔ یہ ٹیکنالوجیز اب پیداوار اور معاشی بڑھوتی کے انجن ہیں۔ لہٰذا موجودہ تجارتی جنگ محض تجارتی جنگ نہیں جس کا مقصد امریکا اور چین کے درمیان پیدا ہونے والے تجارتی عدم توازن کو ٹھیک کرنا ہے بلکہ اس سے بڑھ کر یہ ایک ٹیکنالوجی کی جنگ ہے، خصوصاً فائیو-جی، اور موجودہ اعداد و شمار کے مطابق اس بات کا امکان ہے کہ دنیا میں ایک سے زیادہ ٹیکنالوجی پر مبنی نظام رائج ہو جائے گا: ایک مغرب کا نظام جس کی قیادت امریکا کر رہا ہے اور دوسرا نظام پوری دنیا کے لیے ہو گا جس کی قیادت چین کرے گا۔

درمیان پیدا ہونے والے تجارتی عدم توازن کو ٹھیک کرنا ہے بلکہ اس سے بڑھ کر یہ ایک ٹیکنالوجی کی جنگ ہے، خصوصاً فائیو-جی، اور موجودہ اعداد و شمار کے مطابق اس بات کا امکان ہے کہ دنیا میں ایک سے زیادہ ٹیکنالوجی پر مبنی نظام رائج ہو جائے گا: ایک مغرب کا نظام جس کی قیادت امریکا کر رہا ہے اور دوسرا نظام پوری دنیا کے لیے ہو گا جس کی قیادت چین کرے گا۔ اور اگر چین کا ٹیکنالوجیکل نظام یوریشیا میں بالادست ہو جاتا ہے تو اس خطے میں امریکی ترجیحات پر چین کے حملوں کا خطرہ لازمی بڑھ جائے گا۔

**لہٰذا امریکا-چین تجارتی معاہدہ، چاہے وہ مکمل بھی ہو جائے، اور آنے والے سالوں میں اس کے تمام حصوں پر دستخط بھی ہو جائیں جیسا کہ ٹرمپ نے کہا: "اس کی انتظامیہ جلد ہی امریکا-چین تجارتی معاہدے کے دوسرے حصے پر بات چیت شروع کرے گی لیکن وہ نومبر میں امریکی صدارتی انتخابات کے بعد اس معاہدے کو مکمل کرے گا۔۔(** بوابة العين 10 جنوری 2020)۔ لہٰذا اگر اس معاہدے پر اس کے آخری حصے پر بھی دستخط ہو جائیں تو بھی اس بات کا امکان ہے کہ ایسا محض وقتی جنگ بندی جیسا ہی ہو گا، خصوصاً ففتھ جنریشن ٹیکنالوجی کے شعبے میں، کیونکہ امریکا چین کو اپنے مد مقابل نہیں دیکھنا چاہتا، خواہ چین اسے قبول ہی کیوں نہ کر لے کیونکہ امریکا کا تکبر اسے یہ قبول کرنے سے روکتا ہے!!

**17 جمادی الاول 1441 ہجری**

**12 جنوری 2020 عیسوی**

*ختم شد*

# سوال وجواب: "سوائے دعا کے کوئی بھی چیز تقدیرِ الٰہی (قضاء) کو نہیں پلٹ سکتی" اس حدیث کو کیسے سمجھیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

**سوال:**

ہماری تبنی کردہ کتاب "التفکیر الاسلامی" میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ دعا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے علم یا کسی بھی چیز میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی جانب سے مقرر کردہ ہمارے انجام (قدر) اور ہماری قسمت (تقدیر) کو نہیں پلٹ سکتی۔ تاہم قرآن و سنت میں ایسی نصوص موجود ہیں جو میرے خیال میں اس مفہوم کے منافی ہیں۔ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «**لَا يَرُدُّ الْقَضَاءَ إِلَّا الدُّعَاءُ**» "سوائے دعا کے کوئی بھی چیز تقدیرِ الٰہی (قضاء) کو نہیں پلٹ سکتی۔"

اور بھی بہت ساری حدیثیں موجود ہیں جن کے یہی معنی ہیں، اور وہ ثابت کرتی ہیں کہ دعا تقدیر کو بدل دیتی ہے۔ لہٰذا قرآن و سنت میں موجود نصوص اور ہماری کتاب میں موجود مفہوم کو کیسے سمجھا جائے؟ اللہ سبحانہ وتعالیٰ آپ کو اجر عطا فرمائے۔

**جواب:**

میرے خیال میں آپ جس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں وہ "التفکیر الاسلامی" میں نہیں بلکہ کتاب "الفکر الاسلامی" (اسلامی فکر) میں بیان کی گئی ہے، اور یہ سوال میں ایک غلطی ہے۔ نیز سوال میں ایک اور غلطی یہ ہے کہ "یہ کتاب ہماری تبنی (اپنائی ہوئی) کتابوں میں سے ایک ہے"۔ یہ کتاب ہماری تبنی کی ہوئی کتابوں میں سے نہیں ہے اور اس کا تذکرہ انتظامی فائل میں درج ہے "وہ غیر تبنی کتابیں جو حزب التحریر نے شائع کی ہیں، چاہے اُن پر امیر کا نام ہو، یا کسی اور رکن کا نام ہو، انہیں حلقات میں نہیں پڑھایا جاتا"، اور پھر ان کتابوں میں اِس کتاب کا تذکرہ کیا گیا ہے: "۔۔۔الفکر الاسلامی"۔ بہر حال، جیسا کہ میں نے پہلے ذکر کیا ہے، ایسا لگتا ہے کہ آپ اس کتاب میں بیان کردہ اس جملے کا ذکر کر رہے ہیں: "لیکن یہ واضح ہونا ضروری ہے کہ جو کچھ بھی اللہ کے علم میں ہے دعا سے نہیں بدل سکتی، اللہ کی قضاء کو نہیں ٹال سکتی، اللہ کی طرف سے مقرر کردہ کو نہیں بدل سکتی، اور کوئی چیز اس کے سبب کے بغیر نہیں ہو سکتی، کیونکہ جو امر اللہ کے علم میں ہے وہ لازمی پورا ہو کر رہتا ہے، اور اللہ کی قضاء لازمی پورا ہوتی ہے، اگر یہ دعا سے پلٹ جائے تو یہ قضاء نہیں ہوگی، اور یہ کہ قدر اللہ ہی کی طرف سے مقرر ہوتی ہے، لہٰذا، یہ دعا سے نہیں بدل سکتی"۔ آپ کہتے ہیں کہ یہ بیان اس حدیث «**إِنَّ الدُّعَاءَ يَرُدُّ الْقَضَاءَ**»، "**دعائیں تقدیرِ الٰہی (قضاء) کو پلٹ دیتی ہیں۔**" سے متصادم ہے۔ ایک اور روایت میں ہے «**لَا يَرُدُّ الْقَدَرَ إِلَّا الدُّعَاءُ**»، "**کوئی بھی چیز قدر کو نہیں بدل سکتی سوائے دعا کے۔**" آپ کا سوال ہے کہ اس تضاد کو کیسے سمجھیں؟

اس سے پہلے کہ میں آپ کے سوال کا جواب دوں، میں کچھ متعلقہ امور کا ذکر کروں گا۔

**1- <u>اسلام میں دعاء کی اہمیت اور اس سے مستفید ہونے سے متعلق آیات اور احادیث موجود ہیں، جیسا کہ:</u>**

- اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿**وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ**﴾ "اور تمہارے رب نے فرمایا ہے: تم لوگ مجھ سے دعا کیا کرو میں ضرور قبول کروں گا، بے شک جو لوگ میری بندگی سے سرکشی کرتے ہیں وہ عنقریب دوزخ میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے" (الغافر: 60)۔

- حاکم نے اپنے مستدرک میں ابوہریرہؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «**لَيْسَ شَيْءٌ أَكْرَمَ عَلَى اللَّهِ مِنْ الدُّعَاءِ**» "اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو دعا سے زیادہ کوئی چیز اتنی عزیز نہیں ہے"۔ احمد نے اپنی مسند میں ابو سعید سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «**مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَدْعُو بِدَعْوَةٍ لَيْسَ فِيهَا إِثْمٌ وَلَا قَطِيعَةُ رَحِمٍ إِلَّا أَعْطَاهُ اللَّهُ بِهَا إِحْدَى ثَلَاثٍ إِمَّا أَنْ تُعَجَّلَ لَهُ دَعْوَتُهُ وَإِمَّا أَنْ يَدَّخِرَهَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ وَإِمَّا أَنْ يَصْرِفَ عَنْهُ مِنْ السُّوءِ مِثْلَهَا قَالُوا إِذاً نُكْثِرُ قَالَ اللَّهُ أَكْثَرُ**»، "ایسا کوئی مسلمان نہیں ہے کہ جو اللہ کو ایسے الفاظ کے ساتھ پکارے کہ جس میں کوئی گناہ یا خونی رشتے منقطع کرنے کی بات نہ ہو تو اللہ اسے تین چیزوں میں سے ایک عطا کرے گا: یا تو وہ اس کی مانگی ہوئی چیز جلد ہی عطا کر دے گا، یا آخرت کے لیے اس کا اجر ذخیرہ کر دے گا، یا اس سے کوئی برائی دور کر دے گا جو اس کی مانگی ہوئی دعا کے برابر ہو"، انہوں نے کہا، "پھر ہمیں کثرت سے دُعائیں مانگنی چاہئے"، آپ ﷺ نے فرمایا، "اللہ سب سے کثرت والا ہے"

اسے حاکم نے بھی اپنی مستدرک میں ابو سعیدؓ سے روایت کیا ہے۔

ان شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ اس کا وفادار بندہ اس سے دعائیں مانگتا رہے اور اپنی دعاؤں کو بڑھاتا رہے، اور یہ کہ اس کی دعاؤں کی قبولیت تین میں سے ایک صورت میں ہے جیسے مسند احمد میں ہے۔ اور یہ قبولیت لوحِ محفوظ میں درج ہے۔ ازل سے جو کچھ بھی ہوتا رہا ہے وہ ہمیشہ سے درج ہے جیسا کہ ذیل میں قدر کے دلائل سے ظاہر ہے۔

**2- اگر کسی مسئلے کے بارے میں قطعی ثبوت دلیل موجود ہو جو کسی خاص حکم کی طرف اشارہ کرتی ہو اور** اسی معاملے پر صحیح بیان (سند) کے ساتھ غیر قطعی دلیل موجود ہو جو کسی اور حکم کی نشاندہی کرتی ہو جس میں قطعی دلیل سے متصادم ہونے کا شبہ پیدا ہوتا ہو، تو اس صورت میں دونوں شواہد کو آپس میں جوڑا جاتا ہے، کیونکہ ان دونوں شواہد کو ملا دینا اس بات سے اولیٰ ہے کہ کسی ایک کو نظر انداز کر دیا جائے۔ اگر شواہد کو ملا ناممکن نہیں ہو تو قطعی ثبوت کو لیا جاتا ہے، اور غیر قطعی ثبوت کو درایتاً (معنی کے لحاظ سے) مسترد کر دیا جاتا ہے کیونکہ اس کی سند (روایت) صحیح ہے، لیکن اگر اس کی سند ضعیف ہو، تو اسے اس کی کمزوری کی وجہ سے ترک کر دیا جاتا ہے۔

**3- تقدیر الٰہی کے ثبوت (قدر) سے:**

-اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا :﴿**وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَراً مَقْدُوراً**﴾"اور اللہ کا حکم پورا ہو کر رہے گا" (الاحزاب:38)، یہاں "قدر" سے مراد وہ فیصلہ ہے جو ابدی طور پر ہو چکا ہے اور "مقدور" سے مراد وہ فیصلہ ہے جو لازمی ہو کر رہے گا -اور فرمایا:﴿**وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلا فِي السَّمَاءِ وَلا أَصْغَرَ مِنْ ذَٰلِكَ وَلا أَكْبَرَ إِلا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ** ﴾" اور آپ کے رب (کے علم) سے ایک ذرّہ برابر بھی (کوئی چیز) نہ زمین میں پوشیدہ ہے اور نہ آسمان میں اور نہ اس (ذرہ) سے کوئی چھوٹی چیز ہے اور نہ بڑی، مگر وہ واضح کتاب (یعنی لوحِ محفوظ) میں (درج) ہے "(یونس: 61 )، اور فرمایا :﴿**عَالِمِ الْغَيْبِ لا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلا فِي الأَرْضِ وَلا أَصْغَرُ مِنْ ذَلِكَ وَلا أَكْبَرُ إِلا فِي كِتَابٍ مُبِين** ﴾"اللہ سبحانہ و تعالیٰ غیب کا جاننے والا ہے، اس سے نہ آسمانوں میں ذرّہ بھر کوئی چیز چھپ سکتی ہے اور نہ زمین میں اور نہ اس سے کوئی چھوٹی (چیز ہے) اور نہ بڑی مگر روشن کتاب (یعنی لوحِ محفوظ) میں (لکھی ہوئی) ہے "(سورۃ سبا : 3 )، اور فرمایا،﴿**مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الأَرْضِ وَلا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ** ﴾"کوئی بھی مصیبت نہ تو زمین میں پہنچتی ہے اور نہ تمہاری زندگیوں میں مگر وہ ایک کتاب میں (یعنی لوحِ محفوظ میں جو اللہ کے علمِ قدیم کا مرتبہ ہے) اس سے قبل کہ ہم اسے پیدا کریں (موجود) ہوتی ہے، بیشک یہ (علمِ محیط و کامل) اللہ پر بہت ہی آسان ہے "(سورۃ الحدید: 22 )۔

- نیز قدر کے معاملے یا لوحِ محفوظ کے متعلق احادیث موجود ہیں، بشمول:

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے کہا:«**جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا أَنْتَ لاَقٍ** » "قلم اس کے لکھنے کے بعد خشک ہو گیا ہے کہ جس سے تمہارا واسطہ پڑے گا"(بخاری)؛ یعنی، ہر چیز کہ جس سے آپ کا سامنا ہو گا ہمیشہ کے لئے لکھ دی گئی ہے۔

سیدنا عمرؓ کی حدیث، کہ جس میں حضرت جبرائیلؑ نے آ کر اسلام اور ایمان کے بارے میں پوچھا، حدیث میں ہے: "مجھے ایمان کے بارے میں بتائیں"، آپ ﷺ نے جواب دیا،:« **أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ وَمَلاَئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ** »"وہ یہ ہے کہ آپ اللہ اور اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور آخری دن اور تقدیر کے اچھے اور برے ہونے پر یقین رکھیں"(مسلم)، یعنی یہ ماننا کہ سب کچھ پیدا کرنے سے پہلے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اچھے اور برے کا فیصلہ کر دیا ہے۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے، انہوں نے کہا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:« **لاَ يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتَّى يُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ حَتَّى يَعْلَمَ أَنَّ مَا أَصَابَهُ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَهُ وَأَنَّ مَا أَخْطَأَهُ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيبَهُ**»"کسی بندے کا اس وقت تک ایمان نہیں جب تک کے وہ القدر اور اس کے اچھے اور برے ہونے پر ایمان نہ لے آئے، یہاں تک کے اسے پتہ ہو کہ جو مصیبت اس پر نازل ہوئی ہے وہ اس سے بچ نہیں سکتا تھا، اور یہ کہ جس مصیبت سے بچ گیا ہے وہ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی تھی ۔"(ترمذی)

ابی عباس عبد اللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سوار تھا کہ جب آپ ﷺ نے فرمایا : «**يا غُلاَمُ، إِنِّي أُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ، احْفَظْ اللَّهَ يَحْفَظْكَ، احْفَظْ اللَّهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ، إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللَّهَ، وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ، وَاعْلَمْ أَنَّ الأُمَّةَ لَوْ اجْتَمَعَتْ عَلَى أَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوكَ إِلاَّ بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللَّهُ لَكَ، وَلَوْ اجْتَمَعُوا عَلَى أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوكَ إِلاَّ بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللَّهُ عَلَيْكَ، رُفِعَتْ الأَقْلاَمُ وَجَفَّتْ الصُّحُفُ**»، "اے لڑکے! میں تمہیں کچھ معاملات میں ہدایت کرتا ہوں۔ اللہ کے احکامات کی خلاف ورزی سے ڈرتے رہو، وہ تمہاری حفاظت کرے گا۔

اس کے احکامات کی حفاظت کرو ، وہ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گا۔ اگر تم کچھ مانگو، تو صرف اسی سے مانگو۔ اور اگر مدد کی ضرورت ہو، تو صرف اللہ سے مدد کی دعا کرو۔ اور یاد رکھو کہ اگر سارے لوگ بھی تمہارے فائدے کے لیے جمع ہو جائیں تو وہ تمہیں اس کے سوا کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکیں گے کہ جس کا اللہ نے پہلے ہی فیصلہ کیا ہوا تھا۔ اور اگر یہ سب تمہیں نقصان پہنچانے کے لئے جمع ہو جائیں تو، وہ تمہیں اس کے سوا کسی اور چیز سے تکلیف نہیں پہنچا سکیں گے جسے اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا تھا۔ قلم اٹھایا جا چکا ہے اور سیاہی خشک ہو چکی ہے۔"(ترمذی)

**4- اب ہم اُن دونوں احادیث پر بات کریں گے کہ دعا قضاو قدر کو پلٹ دیتی ہے:**

- حاکم نے مستدرک میں ابن عباسؓ اور ثوبانؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «**إِنَّ الدُّعَاءَ يَرُدُّ الْقَضَاءَ**»،"دعا قضا کو پلٹ دیتی ہے"۔ایک اور روایت میں حاکم نے عبد اللہ ابن ابی زیدؓ اور ثوبانؓ کے ذریعے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «**لَا يَرُدُّ الْقَدَرَ إِلَّا الدُّعَاءُ**»،"سوائے دعا کے کوئی بھی چیز قدر کو نہیں پلٹ سکتی"۔ حاکم نے اس حدیث کے متعلق کہا کہ اس کی سند صحیح ہے لیکن شیخین نے اسے بیان نہیں کیا۔

**5۔ قدر کے متعلق جو کچھ نصوص میں بیان کیا گیا خاص طور پر وہ آیات جن کے معنی قطعی ہیں**، تو ان پر غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ زمین و آسمان میں ایسی کوئی چیز نہیں سوائے جسے اللہ نے قدر کر دیا اور اسے اپنے پاس تحریر کر دیا۔ اور کچھ واقع نہیں ہو سکتا سوائے اس کے کہ جسے اللہ نے پہلے لکھ دیا ہے اور جو اس کے پاس تحریر ہے۔ جو پہلے لکھ دیا گیا وہ لازمی ہو کر رہے گا اور وہ ناگزیر ہے، **یعنی قدر کو کوئی نہیں روک سکتا۔**

جن دو احادیث کا ذکر کیا گیا ہے اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ دعا قضاء یا قدر کو پلٹ دیتی ہے۔ دونوں احادیث کا معنی ایک ہی ہے، پس یہاں شبہ ہے جو قطعی ثبوت آیات سے متصادم ہے۔ اور جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا تھا، کہ اگر ممکن ہو، تو پہلے ان دو احادیث کو قطعی ثبوت آیات کے ساتھ ملانے کی کوشش کی جائے گی؛ ورنہ حدیث کو درایتاً (معنی کے لحاظ سے) مسترد کر دیا جائے گا۔

6۔ لہٰذا اس معاملے کو سمجھنے کے بعد میں اللہ کی توفیق سے یہ کہتا ہوں:

ا-یہ حدیث: «**لَا يَرُدُّ الْقَدَرَ إِلَّا الدُّعَاءُ**»،"سوائے دعا کے کوئی بھی چیز قدر کو نہیں پلٹ سکتی"، اس کے حقیقی معنی یہ ہیں کہ اللہ جو لوح محفوظ میں لکھا گیا ہے اسے وہاں سے ہٹا دیتے ہیں، لہٰذا یہ حدیث درایتاً یعنی اپنے معنوں کے لحاظ سے مسترد ہو گی کیونکہ قدر یا قضاء لوح محفوظ میں لکھا گیا ہوا ہے اور وہ لازمی طور پر ہو کر رہے گی اور کوئی اسے روک نہیں سکتا، یعنی لوح محفوظ سے اسے نہیں نکالا جا سکتا؛ اس لیے یہ حدیث درایتاً یعنی معنوں کے لحاظ سے مسترد کی جائے گی اگر اسے قطعی ثبوت آیت کے ساتھ جوڑا نہیں جا سکتا۔ لہٰذا قدر پر جو قطعی ثبوت ہے اسے اختیار کیا جائے گا، یعنی قدر لازمی ہو کر رہتی ہے اور اسے روکا یا التوا میں نہیں ڈالا جا سکتا۔ لیکن حدیث کے معنوں کو مسترد کرنے سے پہلے یہ کوشش کرنا لازمی ہے کہ قطعی اور غیر قطعی تمام شواہد کو جوڑنے کی کوشش کی جائے، اگر ان میں مطابقت ہو سکتی ہو کیونکہ تمام دلائل پر عمل بہتر ہے بجائے اس کے کہ کسی ایک کو مسترد کر دیا جائے۔

ب-اصول فقہ کے مطابق، جب قرینہ اس قسم کا ہے کہ حقیقی معنی اختیار نہ کیا جا سکتا ہو، اور وہ قرینہ یہ ہے کہ یہاں پر قدر کے متعلق قطعی ثبوت آیات موجود ہیں، تو پھر اگر زبان کے لحاظ سے ممکن ہو تو حدیث میں بیان کیے گئے قدر کے استعاری یا مجازی یا کنایتاً معنی مراد لیے جائیں گے۔ اور یہ یہاں پر ایسا کرنا ممکن ہے؛ لفظ قدر یا قضاء حدیث میں مجازی طور پر استعمال ہوا ہے اور اس کو اس کے نتائج سے سمجھا جا سکتا ہے یعنی کہ اس کے اثرات سے؛ دوسرے الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہاں قدر سے مراد کسی عمل یا واقع کے اثرات ہیں، پس یہاں دعا کو وجہ کے طور پر بیان کیا گیا ہے لیکن مقصد مُسبب کو بیان کرنا ہے۔ اس بات کو اس مثال سے سمجھتے ہیں: اگر آپ کہتے ہیں بارش نے زمین کو زندہ کیا۔ یہاں آپ نے بارش کو وجہ کے طور پر ذکر کیا جبکہ مراد اس کا نتیجہ تھا یعنی فصل یا درخت۔ تو حدیث میں بھی قدر کا تذکرہ کیا گیا لیکن اصل مقصد مجازی معنی میں بات کو بیان کرنا تھا یعنی کہ اس کا اثر یا نتیجہ، یعنی قدر یا قضاء تبدیل نہیں ہوئی بلکہ اس کا اثر یا نتیجہ تبدیل ہو گیا۔ ایک اور مثال سے اس بات کو سمجھتے ہیں: اگر ایک مسلمان کسی قدر یا قضاء کا شکار ہوتا ہے جیسا کہ وہ بیمار ہو جاتا ہے، یا اس کا بچہ اس سے چھن جاتا ہے، یا کاروبار یا تجارت میں نقصان اٹھاتا ہے وغیرہ وغیرہ، تو پھر دعا اس کے اثرات کو تبدیل کر دیتی ہے، جیسا کہ حسن بن علیؓ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے کہا: کہ رسول اللہ ﷺ نے وتر کے نماز میں ادا کرنے کے لیے یہ الفاظ سکھائے: «**اللَّهُمَّ اهْدِنِي فِيمَنْ هَدَيْتَ... وَقِنِي شَرَّ مَا قَضَيْتَ...**» "اے اللہ مجھے ان لوگوں میں سے کر جن کی آپ نے رہنمائی فرمائی۔۔۔۔ اور مجھے اس شر سے بچا جس کا آپ نے فیصلہ کیا ہے"۔ ایک ایمان والا جب دعا میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو پکارتا ہے اور قضاء کے شر سے بچنے کے لیے دعائیں کرتا ہے تو اللہ اس کے اثرات کو اس پر

نرم کر دیتے ہیں اور اس صورتحال سے نکلنے میں اس کی مدد فرماتے ہیں اور اس کو صبر عطا فرماتے ہیں۔ پھر اللہ اس بات کے باوجود کہ اس پر قضاء آچکی ہے، اس کی زندگی کو آسان کر دیتے ہیں۔ یعنی اللہ اس پر قضاء کو آسان کر دیتے ہیں اور اس کے اثرات کو نرم کر دیتے ہیں۔ تو یہ ایسے ہے کہ دعا نے مجازی طور پر قضا کو ٹال دیا۔ اللہ نے اس قضاء کا سامنا کرنے میں بندے کی مدد کی اور اسے صبر عطا فرمایا۔ کتنے لوگ ہیں جو مصائب سے دوچار ہوتے ہیں اور کمزور ہو جاتے ہیں؟ اور کتنے لوگ ہیں جو شدید مشکلات کا سامنا کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود ان کی زبانیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ذکر سے تر ہوتی ہیں، پس بندہ اللہ سے دعا مانگتا ہے تاکہ وہ اسے مصیبتوں کے برے اثرات اور ان کے نتائج سے محفوظ رکھے، تو اسے صبر دیا جاتا ہے اور اس کے معاملات سیدھے ہو جاتے ہیں، جیسا کہ اس کی دعا نے مجازی طور پر مشکل کو ٹال دیا ہو۔

لہٰذا قدر ناگزیر ہے اور ہو کر رہے گی لیکن مسلمان کی دعا اس کے اثرات کو اس پر سے ٹال دے گی یعنی اس کے اثرات کی سختی کم ہو جائے گی اور اس کی مدد کی جائے گی کہ وہ اس صورتحال سے نکل جائے اور اس صورتحال کا سامنا کرنے کے لیے اسے صبر دیا جائے گا، اور مشکل کی شدت کو کم کر دیا جائے گا اور پھر وہ زندگی سے ایسے لطف اندوز ہو گا جیسے کہ اس پر کوئی مشکل کبھی آئی ہی نہ ہو۔ جو کچھ لوح محفوظ میں لکھ دیا گیا ہے، اللہ نے اس کا حکم دیا اور اللہ ہمیشہ سے اسے جانتا ہے۔ یعنی یہ لکھ دیا گیا ہوا ہے کہ اللہ کے غلاموں پر مشکل آئے گی، اور پھر اللہ کا بندہ اللہ کو دعا کے ذریعے پکارے گا کہ اس مشکل کے شر سے اسے بچایا جائے۔ اللہ اس کی دعا کا جواب دے گا اور اس صورتحال سے نکلنے میں اس کی مدد کرے گا، اس صورتحال کا سامنا کرنے کے لیے اسے صبر عطا فرمائے گا جیسا کہ مجازی طور پر اس پر کوئی مشکل پڑی ہی نہیں ہے۔

**اس طریقے سے اس حدیث کو سمجھنا چاہیے۔ میری رائے میں یہ فہم درست ترین ہے، باقی اللہ سبحانہ وتعالیٰ جاننے والا اور سب سے زیادہ حکمت والا ہے۔**

7- مزید معلومات کے لیے میں درج ذیل کہوں گا:

ا- میری کتاب (التيسير في أصول التفسير) میں یہ لکھا ہے:

[دعا کا جواب دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قسمت تبدیل ہو جائے یا جو لوح محفوظ میں لکھا ہے یا جس سے اللہ باخبر ہیں وہ تبدیل ہو جائے، یعنی اللہ کے جواب کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے بندے کی دعا کے متعلق نہیں جانتے اور یہ کہ اللہ اس کا جواب دیں گے، اور اسے لوح محفوظ میں نہیں لکھا گیا، بلکہ اللہ جانتے ہیں اور ہمیشہ سے یہ سب لکھا ہوا تھا۔ قدر اللہ کا علم ہے جو کہ وہ ہے جو لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے اور جو کچھ ہوتا ہے وہ اس میں ہمیشہ سے لکھا ہوا تھا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ جانتے ہیں کہ کوئی اس سے دعا کرے گا۔ اگر اللہ اس کا جواب دیتے ہیں، تو یہ لکھا ہوا ہوتا ہے کہ کوئی یہ اور یہ دعا کرے گا اور فلاں اور فلاں طریقے سے دعا پوری ہو گی۔ دعا کوئی ایسی نئی چیز نہیں کہ جسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ پہلے نہیں جانتے تھے یا یہ کہ وہ لوح محفوظ میں نہیں لکھی ہوئی تھی، یا یہ کہ اس کا جواب کیا ہو گا۔ بلکہ جو کچھ ہونا ہے وہ لوح محفوظ میں لکھ دیا گیا ہوا ہے۔ اللہ ہر اَن دیکھی چیز کو جانتا ہے یہ بھی جانتا ہے کہ اس کا بندہ کیا کہے گا اور کیا کرے گا، اور ہر چیز پہلے سے لکھی ہوئی ہے۔ بندے کی جانب سے جو دعا کی جاتی ہے اللہ اس سے باخبر ہوتے ہیں اور اسے بالکل ویسے ہی لکھا ہوا ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا جواب بھی پہلے سے لکھا ہوا ہے۔ دعا اور اس کا جواب اللہ کے علم سے بالاتر نہیں بلکہ پہلے سے لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ اللہ ہر نظر آنے والی اور نہ نظر آنے والی شے کو جانتا ہے، ﴿**لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ**﴾ "(وہ پروردگار) غیب کا جاننے والا (ہے) ذرہ بھر چیز بھی اس سے پوشیدہ نہیں (نہ) آسمانوں میں اور نہ زمین میں"(صبا:3)۔

ب- اَبو محمد حسین بغوی شافعی (المتوفی 516 ہجری) کی شرح السُنۃ میں بیان کیا گیا ہے: عبدالواحد بن احمد ملیحی نے۔۔۔ عبد اللہ بن ابو جعد نے ثوبان سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «**لَا يَرُدُّ الْقَدَرَ إِلَّا الدُّعَاءُ۔۔۔**»، "سوائے دعا کے کوئی بھی چیز قدر کو نہیں پلٹ سکتی"۔۔۔۔ میں (بغوی) یہ کہتا ہوں: اَبو حاتم سجستانی نے بیان کیا: جو دعا کرتا رہتا ہے وہ قضاء کو ایسے قبول کرے گا جیسے اس پر سے ٹال دی گئی ہو۔

پ- اَبو الحسن نور الدین ملا ھروی قاری (متوفی:1014 ہجری) نے اپنی کتاب "مرقاۃ مفاتیح شرح مشکاۃ مصابیح" میں بیان کیا ہے: «**لَا يَرُدُّ الْقَدَرَ إِلَّا الدُّعَاءُ**»، "سوائے دعا کے کوئی بھی چیز قدر کو نہیں پلٹ سکتی"۔۔۔۔ قضاء ایک طے شدہ امر ہے۔۔۔ اور قضاء کو روکنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ اسے ایسے آسان کر دیتا ہے جیسا کہ اسے بھیجا ہی نہ گیا ہو۔۔۔] میں امید کرتا ہو کہ یہ جواب کافی ہو گا، اور سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں

**16 ربیع الاول 1441 ہجری**

**13 نومبر 2019 عیسوی**

**ختم شد**

# یوم یکجہتی کشمیر مہم کے موقع پر

**بسم اللہ الرحمن الرحیم**

5 فروری 2020 کو یوم یکجہتی کشمیر کے حوالے سے اپنی سرگرمیوں میں، حزب التحریر ولایہ پاکستان نے اجتماعات، مظاہروں اور عوامی خطابات کے ساتھ ساتھ ٹویٹر کی ایک ملک بھر مہم بھی چلائی۔ اس میں پاکستان کی مسلح افواج سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ مقبوضہ کشمیر کی آزادی کے لئے فوری طور پر متحرک ہو جائیں، اور کوئی بھی حکمران جو راستہ روکنے کی کوشش کرے اُسے جڑ سے اکھاڑ پھینکیں۔ ٹویٹر مہم میں، ہیش ٹیگ، #PakArmyLiberateKashmi ، پندرہ منٹ کے اندر اندر ملک میں پہلے نمبر کا ٹرینڈ بن گیا اور سوشل میڈیا میں اس پر زبردست بحث ہوئی۔

**الحمدللہ**






# افواجِ پاکستان کے شیروں نے خلافت کا جھنڈا سرینگر پر لہرانا ہے

## پریس ریلیز

**بسم اللہ الرحمن الرحیم**

16 جنوری 2020 کو باجوہ-عمران حکومت کے یومِ یکجہتی کشمیر "زبردست طریقے" سے منانے کے اعلان پر عوام میں کوئی جوش و خروش نظر نہیں آیا۔ الٹا اس اعلان پر حکومت کو عوام کی جانب سے طنز و تشنیع کا سامنا کرنا پڑا، جو قطعی طور حیرت انگیز نہیں ہے۔ یقیناً 5 فروری 2020، بروز یوم یکجہتی کشمیر، اس بات کو چھ ماہ ہو جائیں گے جب ہندو ریاست نے مقبوضہ کشمیر کو اپنے قبضے میں کرنے کے عمل کی ابتداء کی تا کہ وہ کشمیر کو پورے کا پورا ہڑپ کر جائے اور اس پورے عمل کے دوران باجوہ-عمران حکومت اس بات کو یقینی بنا رہی ہے کہ ہندو ریاست کی جارحیت کے خلاف پاکستان کی جانب سے کسی بھی قسم کا عسکری جواب نہ دیا جائے۔ باجوہ-عمران حکومت نے مجرمانہ طور پر کشمیری مزاحمت کو فراہم کی جانے والی ہر قسم کی عملی مدد کو "دہشتگردی" قرار دے دیا ہے جبکہ ہندو ریاست بے رحم چینی حکومت، جس نے ایغور مسلمانوں کے خاتمے کی مہم شروع کر رکھی ہے، کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مقبوضہ کشمیر کو دنیا کے سب سے بڑے قید خانے میں تبدیل کر دیا ہے جہاں 80 لاکھ سے زائد لوگ قید ہیں، جن پر 9 لاکھ فوجی تعینات ہیں، 13 ہزار نوجوان گرفتار ہیں اور ایسے قوانین نافذ کیے گئے ہیں تا کہ مسلم اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کیا جائے اور کشمیری مسلمانوں کو "انتہاپسندی سے پاک کرنے" کی مہم چلائی جا رہی ہے۔ باجوہ-عمران حکومت زبانی جمع خرچ، بے سود اقدامات اور مگرمچھ کے آنسو بہا کر ہندو ریاست کو بھرپور وقت فراہم کر رہی ہے تا کہ وہ مقبوضہ کشمیر پر اپنی فوجی گرفت مضبوط کر لے جبکہ سات دہائیوں سے اس کی فوج بہادر مسلم مجاہدین کو قابو کرنے میں ناکام رہی ہے جنھیں پاکستان کے مخلص لوگوں کی بھرپور مدد حاصل تھی۔ اور مجرم باجوہ-عمران حکومت نے افواج پاکستان کے شیروں کے پیروں میں بیڑیاں ڈال رکھی ہیں جنہوں نے 27 فروری 2019 کو ہندو ریاست کو دھول چاٹنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ہماری افواج یہ صلاحیت رکھتی ہیں کہ ہندو ریاست کو مقبوضہ کشمیر سے دم دبا کر بھاگنے پر مجبور کر دیں بلکہ اسے تاریخ کی بدترین اور شرمناک ترین شکست سے دوچار کر دیں۔

**اے پاکستان کے مسلمانو!**

یقیناً ہم پر جو سب سے بڑا بوجھ ہے وہ باجوہ-عمران حکومت ہے، جو ہمیں ہر جانب سے کچل رہی ہے۔ اور یہ صورتحال اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اس حکومت سے نجات حاصل کی جائے۔ بے شمار وسائل اور نوجوان آبادی رکھنے کے باوجود اس حکومت نے ہم پر کفر قوانین اور آئی ایم ایف کے مطالبات نافذ کر کے ہمیں غریب، مسکین اور لاچار بنا دیا ہے۔ اور اگرچہ ہمارے پاس قابل اور طاقتور فوج ہے جو ہر وقت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نام پر جان نچھاور کرنے کے لیے تیار ہے، ہمیں ٹرمپ کی ہدایت پر "تحمل" کے مظاہرے کے ذریعے اپنے گھٹیا دشمن کے سامنے ناک رگڑنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ یقیناً باجوہ-عمران حکومت کا اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی وحی کو چھوڑ کر کفر قوانین کی بنیاد پر حکمرانی کرنے نے ہماری زبردست صلاحیت کو مفلوج کر دیا ہے۔ کفریہ قوانین کی بنیاد پر حکمرانی کی وجہ سے ہم برصغیر پاک و ہند کی قیادت کا مقام حاصل کرنے سے قاصر ہیں، وہ مقام جو صدیوں تک ہمارے آباؤ اجداد کے پاس رہا اور جس کی وجہ سے برصغیر نے ایسی شاندار اور بے مثال ترقی، خوشحالی اور تحفظ کا دور دیکھا جو اسلامی حکومت سے پہلے کبھی اس نے نہ دیکھا تھا اور اِسلامی حکومت کے خاتمے کے بعد سے برصغیر اُس شاندار دور سے محروم چلا آرہا ہے۔ لہٰذا اب نبوت کے طریقے پر خلافت کے قیام کی جدوجہد میں حزب التحریر کے شباب کے ساتھ شامل ہو جائیں جس کی بشارت رسول اللہ ﷺ نے دے رکھی ہے۔ اور ہمیں افواج پاکستان کے شیروں سے یہ مطالبہ کرنا چاہیے کہ وہ مشہور فقیہ عطا بن خلیل ابو الرَشتہ کی قیادت میں خلافت کے قیام کی جدوجہد کرنے والی جماعت حزب التحریر کو نصرۃ فراہم کریں تا کہ سرینگر اور مسجد الاقصیٰ پر خلافت کا جھنڈا لہرایا جا سکے، اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، **فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ وَاللَّهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَتِرَكُمْ أَعْمَالَكُمْ" تو تم ہمت نہ ہارو اور (دشمنوں کو) صلح کی طرف نہ بلاؤ۔ اور تم تو غالب ہو۔ اور اللہ تمہارے ساتھ ہے وہ ہرگز تمہارے اعمال کو کم نہیں کرے گا" (محمد، 47:35)۔**

**ولایہ پاکستان میں حزب التحریر کا میڈیا آفس**

**ختم شد**

# سلطان محمد الفاتح نے رسول اللہ ﷺ کی قسطنطنیہ کی فتح کی بشارت کو پورا کرنے کا شرف حاصل کیا۔ اب ہم پر لازم ہے کہ خلافت کی واپسی، یہود کو شکست فاش اور روم کی فتح کی بشارت کو حاصل کریں

## پریس ریلیز

**بسم اللہ الرحمن الرحیم**

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی نصرت سے حزب التحریر ولایہ پاکستان نے، عالمی سطح پر حزب التحریر کی جانب سے چلائی جانے والی مہم، "قسطنطنیہ کی فتح کی بشارت پوری ہو چکی۔۔۔ جس کے نقش قدم پر مزید بشارتیں پوری ہونی ہیں"، کے تحت ملک بھر میں ایک زبردست عوامی رابطہ اور سوشل میڈیا مہم چلائی۔ حزب نے ایک پمفلٹ ، "مشہور فقیہ اور امیر حزب التحریر عطاء بن خلیل ابو الرَشتہ کا خطاب، 857 ہجری بمطابق 1453 عیسوی میں قسطنطنیہ کی فتح کی یاد میں" کے عنوان سے عوامی مقامات اور سوشل میڈیا پر تقسیم کیا جبکہ وفود کی شکل میں معاشرے کے بااثر افراد تک پہنچایا۔ حزب نے 11 جنوری 2020 کو ٹویٹر پر ایک مہم چلائی جو کہ قومی سطح پر دوسرا بڑا ٹویٹر ٹرینڈ بن گیا اور جس کے نتیجے میں ایک بحث نے جنم لیا اور ساتھ ہی ساتھ امیر حزب التحریر کی تقریر ان ہی کی آواز میں انگریزی اور اردو سب ٹائٹل کے ساتھ سات مختصر حصوں میں جاری کیں۔ حزب نے عوامی مقامات پر مظاہرے کیے جن کے بینرز پر تحریر تھا:"اے افواج پاکستان کے شیرو! سلطان فاتح نے قسطنطنیہ فتح کیا، تم اس کے نقش قدم پر کشمیر اور الاقصیٰ کو آزاد کراؤ"۔ اور 15 جنوری 2020 کو، جو اس سال قسطنطنیہ کی فتح کے دن، 20 جمادی الاول کا دن ہے، حزب التحریر ولایہ پاکستان نے امیر حزب التحریر کی تقریر کے حوالے سے مختلف اجتماعات منعقد کیے جس میں انہوں نے کہا، " رسول اللہ ﷺ نے بشارت دی تھی کہ قسطنطنیہ فتح ہو گا، روم فتح ہو گا، نبوت کے طریقے پر خلافت دوبارہ قائم ہو گی، یہود سے جنگ لڑی جائے گی اور انہیں بھرپور طریقے سے شکست ہو گی۔۔۔۔۔۔ اللہ کی سنت یہ ہے کہ ہم اللہ (کے دین) کی مدد کریں اور وہ ہمیں کامیابی سے ہمکنار کرے اور ہم اس کا قانون نافذ کریں اور اس کی ریاست یعنی خلافت، کے ڈھانچے کو مستحکم کریں، اور اس کی راہ میں لڑنے کے لیے ہر اس چیز اور صلاحیت کو جمع کریں جو ہم کرسکتے ہیں"۔

یقیناً اب یہ ہم پر ہے کہ ہم خلافت کی واپسی کی بشارت کو حاصل کریں تاکہ ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی وحی کی بنیاد پر حکمرانی قائم کرکے اپنے آپ کو مضبوط کریں۔ خلافت اپنے اداروں کے ذریعے امت کے وسائل کو اسکے حقیقی پوٹینشل پر استعمال کرے گی۔ خلافت کی افواج استعماری طاقتوں کے اثرورسوخ سے کامل طور پر آزاد اور پاک ہو گی اور اسی وجہ سے اسے بغیر کسی رکاوٹ کے اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ کے لیے حرکت میں لایا جائے گا۔ خلافت کا سیاسی میڈیم اور عدلیہ کرپٹ مغربی تہذیب کے کفر اثرات سے مکمل طور پر پاک ہو گی اور یوں حکمرانوں کا احتساب یقینی بنایا جائے گا جس کی بنیاد صرف اور صرف قرآن و سنت ہو گی۔ خلافت کی معیشت استعماری استحصال سے محفوظ ہو گی جس کے باعث امت کے بے شمار وسائل کو معیشت کی تعمیر کے لیے استعمال میں لایا جائے گا جو اپنے تمام شہریوں کی ضروریات کو پورا کرے گی اور اس کے ساتھ ہی مضبوط صنعتی شعبہ جنم لے گا جو مضبوط اور موثر فوجی قوت کے لیے لازمی ہے۔ تو آئیں افواج میں موجود اپنے شیروں سے، مشہور فقیہ عطا بن خلیل ابو الرَشتہ کی قیادت میں خلافت کے قیام کی جدوجہد کرنے والی جماعت، حزب التحریر کو خلافت کے قیام کے لیے نصرہ دینے کا مطالبہ کر کے کامیابی وعزت کے نئے دور کا آغاز کریں ۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ بِنَصْرِ اللَّهِ ۚ يَنصُرُ مَن يَشَاءُ ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ **"اور اُس روز مومن اللہ کی نصرت سے خوش ہو جائیں گے۔ وہ جسے چاہتا ہے مدد دیتا ہے اور وہ غالب اور مہربان ہے"** (الروم، 4-5)۔

**ولایہ پاکستان میں حزب التحریر کا میڈیا آفس**

**ختم شد**


اے پاک فوج کے بہادر شیرو!


لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ
اے افواج پاکستان کے
جاپان آٹوز

# نصرۃ

نصرۃ وہ حکمِ شرعی ہے کہ جس پر آج سیاسی طور پر امت مسلمہ کے مستقبل کا دارومدار ہے کیونکہ نصرۃ کے ذریعے ہی اُس ریاستِ خلافت کا قیام عمل میں آئے گا، جو ان غداریوں اور خیانتوں کے طویل سلسلے کا خاتمہ کرے گی جس کا امتِ کو سامنا ہے، جو اللہ کے نازل کردہ تمام تر احکامات کے ذریعے حکمرانی کا آغاز کرے گی، پوری امتِ مسلمہ کو ایک ریاست کے سائے تلے وحدت بخشے گی اور دعوت و جہاد کے ذریعے اسلام کے پیغام کو پوری دنیا تک لے جائے گی۔

نصرۃ کی دلیل ہمیں رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے ملتی ہے کہ جب مکہ کا معاشرہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے جامد ہو گیا تو اللہ سبحانہ تعالی نے آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے حکم دیا کہ آپ ﷺ مختلف قبائل پر اپنے آپ کو پیش کر کے ان کی حمایت و نصرت طلب کریں۔ پس آپ نے ابو طالب کی وفات کے بعد مختلف عرب قبائل کی طرف رجوع کیا یہاں تک کہ مدینہ کے اوس و خزرج قبائل کے سرداروں نے اسلام قبول کرنے کے بعد آپ ﷺ کو نُصرۃ دی اور اس نصرت کے نتیجے میں ہی، بیعتِ عقبہ ثانیہ کے بعد مدینہ میں پہلی اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آیا۔ اور یوں وہ رہتی دنیا تک انصار کے لقب سے پہچانے گئے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ پاکستان کی افواج میں موجود مخلص افسران اپنے انصاری بھائیوں کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے خلافت کی دعوت کے علمبرداروں کو نصرۃ فراہم کریں، اس کفریہ سرمایہ دارانہ جمہوری نظام کو اکھاڑ پھینکیں اور ایک خلیفہ راشد کو قرآن و سنت کے نفاذ پر بیعت دیں اور رسول اللہ ﷺ کی اس بشارت کو پورا کر دیں کہ جب آپ ﷺ نے فرمایا: **ثُمَّ تَكُونُ مُلْكًا جَبْرِيَّةً فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ تَكُونَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ ثُمَّ سَكَتَ**" پھر ظالمانہ حکمرانی کا دور ہو گا اور اس وقت تک رہے گا جب تک اللہ چاہیں گے۔ پھر اللہ اس کو ختم فرما دیں گے جب وہ چاہیں گے۔ اس کے بعد نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت قائم ہو گی" (مسند امام احمد)